حیّ علی الفلاح



از

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ



ناشر

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ — پاکستان

حی علی الفلاح

نماز کے بعض مسائل کی وضاحت اور
محمد قاسم صاحب غیر مقلد کی چند غلط بیانیاں

احقر محمد فیاض خان سواتی
مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ



ناشر
ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ـ پاکستان

طبع اوّل

نام کتاب ...... حیَّ علی الفلاح

مصنف ...... مولانا محمد فیاض خاں سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

مطبع ...... فائن بکس پرنٹرز لاہور

تاریخ طباعت ...... شوال المکرم ۱۴۱۰ھ مئی ۱۹۹۰ء

تعداد طبع ...... گیارہ سو (۱۱۰۰)

طابع و ناشر ...... ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

قیمت ...... ۱۴/- چودہ روپے

ملنے کے پتے

۱- ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

۲- انجمن اسلامیہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ

۳- مکتبہ حنفیہ گلی ڈاک خانہ والی اردو بازار گوجرانوالہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہٖ محمّد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ اجمعین امابعد فقال اللّٰہ تبارکؑ وتعالیٰ قل لّعبادی الّذین اٰمنوا یقیموا الصّلوٰۃ۔ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں (سورۃ ابراہیم آیت ۳۱)

وقال النّبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا صلوٰۃ لمن لا طھور لہ ولا دین لمن لا صلوٰۃ لہ انّما موضع الصّلوٰۃ من الدّین کموضع الرّأس من الجسد (الترغیب والترھیب للمنذریؒ ص ۱۴۳ ج ۱، بحوالہ طبرانی)

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کی طہارت نہیں اس کی نماز نہیں اور جس کے لیے نماز نہیں اس کے لیے دین نہیں نماز کا مقام دین میں ایسا ہے جیسا سر کا مقام جسم میں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاءؑ علیہم السلام کی رسالت اور قیامت کے ذکر کے بعد جس کثرت کے ساتھ نماز کا تذکرہ ہے اتنا کسی اور عبادت کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات کے تذکرہ کے ضمن میں تو سینکڑوں مرتبہ نماز کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن صراحت کے ساتھ تقریباً ایک سو نو مرتبہ قرآن مجید میں نماز کا تذکرہ ہے تو اس کثرت کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں نماز کے تذکرہ سے اس کی

فرضیت، اہمیت اور حکمت واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تمام عبادات سے اہم ترین عبادت عقیدہ اور فکر کی اصلاح کے بعد نماز والی عبادت ہے۔ کیونکہ یہ نماز متقی انسان کے لیے تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور مومن کے لیے نماز نور ہے اور نماز دین کا ستون بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے تم نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا! اس حدیث مبارکہ کے پیش نظر آج کے دور میں ہر مسلک والا یہ کہتا ہے کہ اسی کی نماز عین سُنّت کے مطابق ہے اور اس کے مقابلہ میں باقی تمام مسالک والے سُنّت کے مخالف اور غلط ہیں۔ اس سلسلہ میں نام نہاد اہلحدیث (غیر مقلدین) سرِ فہرست ہیں۔ ان کا اِدّعا ہے کہ ان کی نماز عین سُنّت کے مطابق ہے اور باقی سب کے سب سُنّت کے مخالف اور غلط ہیں اور خصوصاً احناف کو تو یہ غیر مقلدین تارکِ سُنّت ہونے میں سرِ فہرست گردانتے ہیں اور احناف کے نماز پڑھنے کے طریقے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں جیسا کہ ناظرین کرام کتاب کے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے لیکن الحمدللہ احناف کا نماز پڑھنے کا طریقہ عین سُنّت کے مطابق ہے جیسا کہ دلائلِ قرآن و احادیثِ صحیحہ اور تعاملِ صحابہؓ اور اجماعِ اُمّت سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ساٹھ فیصد آبادی اہل السنۃ والجماعۃ احناف کے مسلک پر نماز ادا کرتی ہے۔ یہ سوادِ اعظم اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح اور سُنّت کے مطابق یہی طریقہ ہے نماز ادا کرنے کا کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اُمّت کی کثیر تعداد گمراہ اور غلط بات پر اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ غیر مقلدین کے اپنے ہی گھر کی بات کہ ان کے پیشوا و مقتدا علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی بھی احناف کے طریق پر نماز ادا کرتے تھے ملاحظہ فرمائیں:

انّه كان يصلّي على طريقة الاحناف فلا يرفع الايدي في المواضع غير تكبير	وہ (نواب صدیق حسن خان) احناف کے طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے تھے

التحريمة ولا يجهر بآمين بعد الفاتحة ولا يضع يدهٗ على صدره وان كان ليوتر بواحدة ويصلى ثمان ركعات فى التراويح

اور نہ فاتحہ کے بعد آمین بالجہر کرتے تھے اور نہ ہاتھ سینہ پر رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور آٹھ رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

(نزہتہ الخواطر ج ۸ صـ ۱۹۱)

اس کے باوجود بھی غیر مقلدین احناف کے نماز پڑھنے کے طریقہ کو غلط قرار دیتے ہیں اور سنت کے مخالف کہتے ہیں جو کہ سراسر کذب بیانی، زیادتی اور بہتانِ عظیم ہے! آج سے تقریباً چوبیس سال قبل میرے والدِ محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی مدظلہ العالی نے نماز کے موضوع پر ایک کتابچہ تصنیف فرمایا تھا جو کہ نمازِ مسنون کے نام سے مشہور ہے اور یہ بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھا گیا تھا لیکن اس سے بچوں کے علاوہ بڑی عمر کے لوگوں نے بھی بہت استفادہ کیا اور اس کتابچہ کی اتنی شہرت ہو گی کہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے اس کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے خطوط آنے شروع ہو گئے اور الحمدللہ آج تک اس کے تقریباً دس ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں جب یہ کتاب نمازِ مسنون لکھی گئی تو اسی وقت سے والد محترم کے ذہن میں یہ بات تھی کہ نماز کے موضوع پر ایک تفصیلی کتاب لکھی جائے جو قرآن و سنت تعاملِ صحابہ اور اجماعِ اُمت اور قیاسِ شرعی کے دلائل سے مبرھن ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس آرزو کو پورا کیا اور رمضان ۱۴۰۶ھ کو یہ کتاب بنام نمازِ مسنون کلاں پہلی بار شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے یکتا ہونے کی وجہ سے اس کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوا اور دوسرا ایڈیشن ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ کو طبع ہوا اور اب تیسرا ایڈیشن بھی تیار ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں تمام دلائل قرآن و سنت صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین کے تعامل سے مذکور ہیں اور صرف احناف کے مسلک پر مثبت دلائل مذکور ہیں مناظرانہ باتیں اور مسلکی مناقشات کا ذکر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کتاب کی تصنیف سے مسلکِ احناف سے تعلق رکھنے والوں کے

دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہاں غیر مقلدین کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی اور انہوں نے اس کتاب کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی پچھلے دنوں ایک کتاب "حیّ علی الصلوٰۃ" مؤلف محمد قاسم خواجہ صاحب نظر سے گزری جس میں نماز مسنون کلاں کے چند مسائل کو لے کر اس کی آڑ میں مسلک احناف پر رکیک حملے کیے گئے ہیں حالانکہ نمازِ مسنون کلاں صرف احناف کے مسلک پر مثبت دلائل سے مزین ہے اور غیر مقلدین کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ پھر بھی انہوں نے اپنی شاطرانہ طرز کو استعمال کرتے ہوئے مسلکِ احناف تو کیا صحابہ کرامؓ جیسی بزرگ ہستیوں کو بھی معاف نہیں کیا جیسا کہ ناظرین کرام آئندہ صفحات پر دیکھیں گے۔ اور جگہ جگہ احناف کے مسلک کو قرآن وسنت کے خلاف ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کی ہے لیکن الحمد للہ احناف کا مسلک قرآن وسنت صحابہ کرامؓ اور ائمہ دینؒ کی تائید سے ثابت ہے جیسا کہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں

ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق بالسنۃ المعروفۃ التی جُمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ۔

(فیوض الحرمین ص ۱۳۶)

بے شک مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنتِ معروفہ کے ساتھ سب سے زیادہ موافقت رکھتا ہے وہ سنت جس کو امام بخاریؒ اور ان کے زمانہ کے دیگر محدثین کے دور میں جمع اور منقح کیا گیا ہے۔

تو اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسلکِ احناف کا نماز پڑھنے کا طریقہ سب سے زیادہ سنت سے موافقت رکھتا ہے۔ لیکن غیر مقلدین کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کیونکہ انہوں نے ہر موڑ پر احناف کی مخالفت کرنی ہے اور ان کے مسلک کو غلط ثابت کرنے کے لیے دروغ گوئی اور غلط بیانی سے کام لینا ہے کہ کسی طریقہ سے احناف کا مسلک غلط ثابت ہو جائے لیکن جسے اللہ تعالیٰ عزت دے اسے کون ذلیل اور سرنگوں کر سکتا ہے۔ نماز مسنون کلاں کے اندر صرف مسلک احناف کے مثبت دلائل ہیں۔ دوسرے مسالک والوں سے کوئی تعرض نہیں ہے لیکن پھر بھی غیر مقلدین نے اس نماز مسنون کے مسائل پہ بلا جواز اور بے جا اعتراض

کیے ہیں تو اس کے بارے میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ "نماز مسنون کے اندر بھی ذکر کیا گیا ہے"۔ مسائل اور دلائل ان کے فہم و اخذ میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔" اگر کوئی شخص واضح طور پر نشاندہی کرے گا تو اس کی اصلاح کی جائے گی۔ لیکن مسلکی تعصب اور مشاغبیت (شور شر) کے طور پر اور مناظر بازی کے طریق پر جو شخص بات کرے گا۔ اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی"۔ اسی لیے ہم نے مناسب یہی سمجھا کہ محمد قاسم خواجہ صاحب نے جن مسائل کے اندر لوگوں کو دھوکہ دہی کے ساتھ اُلجھا کر مسلک احناف سے تنفر دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بارے میں مختصر طور پر وضاحت کر دی جائے تاکہ عوام الناس کہیں ان کے مکر و فریب میں مبتلا ہو کر مسلکِ احناف کو بُرا بھلا نہ کہنا شروع کر دیں۔ اگرچہ خواجہ قاسم صاحب نے کوئی ایسی علمی غلطی نہیں پکڑی ، اس نماز مسنون کے اندر جس پر خاص توجہ دی جا سکے بلکہ خواجہ صاحب نے وقت کا ضیاع کر کے سستی شہرت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ مسلکی تعصب رکھنے والے حضرات کو ہدایت نصیب فرمائے اور انہیں راہِ حق پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

احقر محمد فیاض خان سواتی

یکم رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فجر کی سُنّتیں

محمد قاسم خواجہ صاحب یہ سُرخی قائم کر کے آگے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز کے ہوتے ہوئے کوئی نماز نہیں ہوتی اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک رکعت مل جانے کا یقین ہو تو سُنّتیں پڑھ لے۔ حضرت صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک قعدہ میں شریک ہو جانے کا یقین ہو تو بھی سُنّتیں پڑھ لے نماز مسنون از صوفی عبدالحمید صاحب سواتی دیوبندی (حیَّ علی الصَّلوٰۃ ص۱۸)

جواب : خواجہ صاحب نے اعتراض تو کر دیا مگر صوفی صاحب کی بات پوری نقل نہیں کی اور نہ ہی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ پہلے ہم حضرت صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں اور پھر مسئلہ کی وضاحت کریں گے۔ صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں صفحہ ۵۳۵ میں لکھا ہے۔ مسئلہ اگر صبح کی نماز شروع ہو چکی ہو۔ اور یہ شخص مسجد میں آئے اس نے صبح کی دو سُنّتیں ادا نہیں کیں۔ اگر اس کو ایک رکعت کے پالینے کا یقین ہو، تو پھر مسجد کے دروازہ کے پاس صبح کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شریک ہو جائے۔

(عند البعض قعدہ میں شریک ہو جانے کا یقین ہو تو بھی سُنّتیں پڑھ لے

(جامع صغیر ص۱۲ ۔ ہدایہ ج۱ ص۱۰۱ ۔ شرح نقایہ ج۱ ص۱۰۸)

اس بارے میں صحابہ کرامؓ کا عمل مبارک موجود ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ سے بھی اشارات ملتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں :

(١) عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ قال جاءنا ابن مسعود والامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی ساریۃ ولم یکن صلی رکعتی الفجر وفی روایۃ عنہ ثم دخل یعنی فی الصلوٰۃ

طحاوی ص ۲۳۰ ج ۱ - مجمع الزوائد ص ۷۵ ج ۲ بحوالہ طبرانی فی الکبیر (وقال رجالہٗ ثقات)

حضرت عبد اللہ بن ابی موسیٰ نے کہا کہ ہمارے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ آئے اور اس وقت امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ستون کے پاس دو رکعت (صبح کی سنت) ادا کیں اور پھر جماعت میں شریک ہوئے۔

(٢) عن ابی الدرداء انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوٰۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوٰۃ (طحاوی ص ۲۳۰ ج ۱)

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے اور لوگ صبح کی نماز میں صفیں بنا کر کھڑے ہوتے تھے (یعنی نماز پڑھتے تھے) پھر یہ مسجد کے کنارے میں دو رکعت سنت پڑھ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے تھے۔

(٣) عن سعید بن جبیرؒ انہ جاء الی المسجد والامام فی الصلوٰۃ الفجر فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۱ ج ۲)

حضرت سعید بن جبیرؒ مسجد میں تشریف لائے امام نماز پڑھا رہا تھا تو انہوں نے دو رکعتیں (فجر کی سنتیں) مسجد کے دروازے کے پاس پڑھیں مسجد میں داخل ہونے سے پہلے۔

ناظرین کرام ہم نے حضرت صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کی ہے اب آپ خود فیصلہ کریں کہ خواجہ قاسم صاحب نے عوام کو دھوکہ دینے کی خاطر صوفی صاحب کی ایک بات نقل کی ہے اور بقایا ساری عبارت ہضم کر گئے ہیں اگر پوری عبارت ذکر کر دیتے تو مسئلے کا حل خود بخود ہی ہو جاتا کیونکہ جو بات صوفی صاحب نے لکھی ہے۔ اس کے دلائل

بھی ساتھ ہی لکھے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے مسئلہ کی وضاحت کے لیے صرف تین حوالے پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دلائل موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں :

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنهُ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا اقيمت فلا صلوٰة الا المكتوبة الا ركعتي الصبح (سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۴۸۳)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی کر دی جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرضی نماز کے مگر فجر کی دو رکعتیں (یعنی سنت فجر)

خواجہ صاحب کی جہالت

خواجہ صاحب اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے مگر خواجہ صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ اصولِ حدیث میں یہ اصول موجود ہے کہ جب کسی ضعیف روایت کی تائید کسی دوسری حدیث سے ہو جائے تو وہ قابلِ عمل ہوتی ہے اور اس میں جو ضعف ہے وہ اتنا نہیں کہ یہ روایت تائید کے طور پر بھی نہ پیش کی جا سکے۔

عن ابی عثمان انصاری قال جاء عبدالله بن عباس والامام فی صلوٰة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلى عبدالله بن عباس الركعتين خلف الامام ثم دخل معهم (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)	حضرت ابو عثمان انصاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے جب کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، اور آپ نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، تو پہلے آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو کر فجر کی نماز پڑھی۔
عن محمد بن کعب قال خرج عبدالله بن عمر من بيته فاقيمت الصلوٰة الصبح فركع ركعتين قبل ان يدخل المسجد وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصلى	محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر سے نکلے تو فجر کی نماز کھڑی ہو گئی۔ آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں پھر باجماعت نماز پڑھی۔

الصبح مع الناس۔ (طحاوی ص۲۵۸ ج۱)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایقظت ابن عمرؓ لصلوٰۃ الفجر وقد اقیمت الصلوٰۃ فقام فصلی الرکعتین (طحاوی ص۲۵۸ ج۱)

مَیں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو صبح کی نماز کے لیے جگایا حالانکہ جماعت نماز کی اقامت ہو چکی تھی۔ تو حضرت ابن عمرؓ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں سُنّتیں پڑھیں۔

عن ابی عثمان النھدی قال کنا نأتی عمر بن خطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوٰۃ فنصلی الرکعتین فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلاتھم۔ (طحاوی۔ ص۲۵۸ ج۱)

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ہم عمر بن خطابؓ کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر آیا کرتے تھے جبکہ حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے ہوتے۔ ہم مسجد کے آخر میں دو رکعتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہو جاتے۔

حضرت حارثہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقیمت الصلوٰۃ فرکع بن مسعودؓ رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلوٰۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۵۱ ج۲)

صبح کی نماز کی اقامت کی جا چکی تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے دو رکعت سُنّت ادا کیں۔ پھر لوگوں کے ساتھ نماز (کی جماعت) میں شریک ہوئے۔

عن مسروق انہ دخل المسجد والقوم فی صلوٰۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلاھما فی ناحیۃ ثم دخل مع القوم فی صلاتھم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۵۰ ج۲)

مسروق سے روایت ہے کہ بے شک وہ داخل ہوا مسجد میں اور لوگ صبح کی نماز میں تھے اور اس نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں۔ پس انہیں ایک کونے میں پڑھا پھر وہ لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوا۔

قارئین کرام! ہم نے سات حوالے مزید پیش کر دیے ہیں۔ ایک قاری کے لیے یہ دلائل کافی ہیں اور نہ ماننے والے کے لیے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہوتے ہیں۔

ع اپنا ہی تھا قصور کہ طوفان میں گھر گئے
اِک موج تھی کہ جس کو کنارا سمجھ لیا

مسئلہ کی مزید وضاحت: فقہا کرام نے جو یہ بات لکھی ہے کہ فجر کی نماز اگر ہو رہی ہو تو سنتیں پڑھ لے۔ اُنہوں نے دو قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے تاکہ ایک آدمی دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کر سکے۔ پہلی قسم کی وہ احادیث ہیں جنمیں فجر کی سُنتوں کی فضیلت اور تاکید موجود ہے اور دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں جماعت کی فضیلت موجود ہے۔ ہم مندرجہ ذیل دونوں قسم کی روایات نقل کرتے ہیں:

فجر کی سُنتوں کی فضیلت: عن عائشۃؓ ان النبیؐ قال رکعتی الفجر خیر من الدنیا وما فیھا۔ (مسلم شریف صفحہ ۲۵۱ ج ۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا صبح کی دو رکعت (سنتیں) دنیا و ما فیھا سے بہتر ہیں۔ (فجر کی سنتیں)

اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے:

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہؐ لا تدعوھما وان طردتکم الخیل (ابوداؤد صفحہ ۱۷۹ ج ۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ان کو نہ چھوڑو (فجر کی سنتیں) اگرچہ تم کو گھوڑے کیوں نہ روند ڈالیں۔

اس قسم کی اور روایت مسلم شریف صفحہ ۲۵۱ ج ۱، بخاری شریف صفحہ ۱۵۶ ج ۱، بخاری شریف صفحہ ۱۵۷ ج ۱ پر بھی موجود ہیں۔

جماعت کی فضیلت

عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ (بخاری ص۸۹ ج۱، مسلم ص۲۳۱ ج۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی علیحدہ نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ اجر رکھتی ہے۔

فضیلت جماعت کی احادیث کثرت کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ مسلم ص۲۳۲ ج۱ بخاری ص۸۹ ج۱، مسلم ص۲۳۱ ج۱، بخاری ص۹۰ ج۱، مسلم ص۲۳۵ ج۱، مستدرک حاکم ص۲۴۵ ج۱، مصابیح ص۹۷، ابن ماجہ ص۵۷، سنن دار قطنی ص۴۲ ج۱ وغیرہ میں اسی لیے فقہا کرام نے جماعت کی فضیلت کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے اور فجر کی سنتوں کی اہمیت کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے صرف فجر کی سنتوں کے لیے یہ بات لکھی ہے کہ آدمی فجر کی سنتوں کا ثواب بھی حاصل کرلے اور جماعت کا ثواب بھی اسے مل جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ:

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فسجدوا ولا تعدوھا شیئًا ومن ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ

(ابوداؤد۔ ص۱۲۹ ج۱)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرلو مگر وہ شمار میں نہ ہوگا اور جس شخص نے رکوع پالیا اس نے نماز پالی۔

عن ابی ھریرۃؓ ان النبیؐ قال من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ

(مسلم ص۲۲۱ ج۱)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک رکعت نماز کی پالی۔ اس نے نماز کو پالیا۔

اور اسی قسم کی حضرت ابوہریرۃؓ سے مسلم ص۲۲۱ ج۱ پر روایت موجود ہے۔ یہ بات خواجہ صاحب

کو بھی تسلیم ہے چنانچہ حی علی الصلوٰۃ ص۱۰۱ اور ص۱۰۲ پر لکھتے ہیں۔ حقیقی معنوں کے لحاظ سے الفاظ کا مطلب یہ ہے جس نے ایک رکعت پالی اسے نماز باجماعت کا ثواب مل گیا اور اس کی نماز جماعت کے حکم میں ہو گئی۔!

ان احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے اگر یہ بات لکھی ہے کہ جس کو فجر کی ایک رکعت مل جانے کا یقین ہو تو وہ فجر کی سنتیں پڑھ لے۔ یہ بات ان احادیث سے ثابت ہے جو اُوپر ذکر کی گئیں۔ اب رہی خواجہ صاحب کی یہ بات جو انہوں نے اپنی کتاب حی علی الصلوٰۃ ص۹۸ پر لکھی ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو اس دوران میں سُنتیں پڑھنے کا کوئی جواز نہیں اگر کوئی پڑھے گا تو وہ کالعدم سمجھی جائیں گی۔ خواجہ صاحب نے اس بارے میں ایک حدیث پیش کی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (عن ابی ھریرۃؓ مسلم ج۱ ص۲۴۷) جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس فرضی نماز کے سوا کوئی نماز نہیں

جواب: ناظرین کرام آپ یہ بات بحوالہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ فجر کی نماز ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ سنتیں پڑھتے تھے اور نبی کریمؐ کی ایک حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے۔ ان صحابہ کرامؓ کے عمل کی روشنی میں اس حدیث کی یہ تشریح ہوگی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جماعت کی صف میں یا جماعت کے بالکل پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اور علماء احناف بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے بھی جماعت کے پیچھے سُنتیں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں: مسئلہ صبح کی سُنتیں عین امام کے پیچھے شدید مکروہ ہیں۔ دیکھئے نماز مسنون کلاں ص۵۳۶۔ مگر خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کی یہ بات ذکر نہیں کی اور فقیہ الاُمت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فجر کی سُنتوں کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: حسب ذیل احادیث کا کیا مطلب ہے:

(الف) اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (۲) عن ابن عمرؓ انہ ابصر رجلا

يصلي الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقال اتصلي الصبح اربعا (۳) عن رويناعن عمر بن خطابؓ انه اذا رای رجلا يصلي وهو يسمع الاجابة ضربه (۴) ووقع نحو هذه القصة ايضاً لابن عباسؓ فاكنت اصلي واخذ المؤذن في الاقامة فجبذني النبی ﷺ وقال اتصلي الصبح اربعاً اخرجه ابن خزيمة وابن حبان والبزار والحاكم وغيرهم۔

(ب) اور مسجد کے دالان میں جس میں جماعت ہو رہی ہو یا صف کے پیچھے ستون کی آڑ کافی ہوگی یا جماعت میں شریک ہو جائیں اور جماعت ہونے کی حالت میں اسی دالان میں سنتیں پڑھنا مکروہ ہیں یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۵۲ عبدالحق صاحب دہلوی ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء۔

جواب : حدیث نمبر (۱) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب (فرض) نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں۔

حدیث نمبر (۲) کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے اور ایک آدمی سنتیں پڑھتا ہے (یعنی پڑھنا چاہتا ہے) تو انہوں نے اس آدمی پر کنکری پھینکی اور فرمایا کہ کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھے گا۔

حدیث نمبر (۳) کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب دیکھتے کہ کوئی آدمی تکبیر سن رہا ہے اور پھر (اپنی علیحدہ) نماز پڑھتا ہے تو اسے مارتے۔

حدیث نمبر (۴) کا مطلب یہ ہے کہ ایسا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کو بھی پیش آیا کہ وہ نماز پڑھنے لگے اور مؤذن نے تکبیر شروع کی تو آنحضرت ﷺ نے انہیں کھینچ لیا اور فرمایا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھو گے۔ ان روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کی تکبیر ہونے کے بعد اس جگہ سنتیں پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس جگہ سنتیں پڑھنے سے صورت جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے۔

نیز صبح کی چار رکعتیں اکٹھی ہونے کی شکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر مسجد سے خارج یا آڑ
کی جگہ میں سنتیں ادا کی جائیں تو بشرطیکہ ایک رکعت فرض مل جانے کا ظن غالب ہو تو
یہ جائز ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ سے یہ عمل مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل کہ
اقامت ہو جانے پر سنتیں پڑھنے والے کو کنکری ماری اور فرمایا کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھے گا
حدیث نمبر (۲) میں مذکور ہے اور انہی سے یہ عمل بھی ثابت ہے کہ اقامت ہو جانے
کے بعد انہوں نے حضرت حفصہؓ کے گھر میں جا کر سنتیں پڑھیں اور پھر آکر جماعت میں
شامل ہوئے وصح عنه (ای ابن عمر) انه قصد المسجد فسمع الاقامة
فصلی رکعتی الفجر فی بیت حفصة ثم دخل المسجد فصلی مع الامام
(فتح الباری ص ۳۶۹ ج ۲ طبع ہند) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے فرض کی اقامت ہو جانے کے بعد مسجد
سے باہر یا مسجد میں جماعت کی جگہ سے آڑ میں ہو کر سنتیں پڑھ لیں پھر جماعت میں
شامل ہوتے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ یہ اولوالعزم فقہاء صحابہؓ ممانعت کو
اسی صورت پر محمول سمجھتے تھے کہ سنتیں جماعت فرض کی جگہ پڑھی جائیں اور مسجد سے
خارج یا آڑ کی جگہ میں اقامت ہو جانے کے بعد بھی پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور پڑھ لیتے تھے
(۲) جس جگہ جماعت ہو رہی ہو اسی جگہ سنتیں پڑھنا ناجائز ہے یا تو خارج مسجد پڑھی جائیں یا جماعت کی جگہ
سے علیحدہ کسی آڑ کی جگہ میں پڑھیں اور ایک رکعت فرض کے مل جانے کا پورا بھروسہ ہو ورنہ جماعت میں شامل
ہو جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایۃ المفتی ص ۲۷۱ تا ۲۷۲ ج ۲)

ناظرین کرام! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ علماء احنافؒ کسی حدیث کی مخالفت
نہیں کرتے بلکہ ہر حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مفتی کفایت اللہ صاحب
کے فتوے سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہے کہ اگر یہ یقین نہ ہو کہ مجھے جماعت
نہیں ملے گی یا مسجد اس قسم کی ہو کہ سنتیں پڑھنے کی جگہ اس میں نہ ہو تو پھر جماعت
میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اور سنتیں سورج طلوع ہونے کے بعد ادا کرے۔ اگر خواجہ صاحب

کی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ فجر کی سنتیں جماعت سے دُور بھی نہیں ہوتیں تو خواجہ صاحب سے سوال یہ ہے کہ جماعت ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے یا عورتیں جو گھروں میں نماز پڑھتی ہیں ان کی نماز ہو گی یا نہیں ؟ کیا مسجد میں جماعت ہوتے ہوئے مسجد کے محلے میں کہیں نماز ہو گی یا نہیں ؟ آخر اس بات کی حد کہاں تک ہے کہ جماعت ہوتے ہوئے نماز کہاں کہاں نہیں ہو گی ۔ اگر صرف مسجد کی بات ہے کہ اس مسجد میں نہیں ہو گی تو حدیث میں مسجد کا ذکر نہیں ۔ اس لیے حدیث کا جو مفہوم صحابہ کرامؓ اور علماء احنافؒ نے سمجھا ہے وہ بالکل درست ہے کہ امام کے بالکل پیچھے نہیں پڑھنی چاہیئے !

ناظرین کرام ! یہاں تک تو یہ بات تھی کہ ایک رکعت اگر مل جانے کا یقین ہو تو وہ فجر کی سُنتیں پڑھ لے ۔ اب تشہد میں اگر مل جانے کا یقین بھی ہو تو پھر بھی سُنتیں پڑھ لینی چاہئیں اس کی دلیل ملاحظہ فرمائیں :

عن ابی ہریرۃؓ ان النبیؐ قال اذا سمعتم	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا
الاقامۃ فامشوا الی الصلوٰۃ وعلیکم السکینۃ	کہ جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کیلئے چلتے ہوئے آؤ اور
والوقار ولا تسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم	آہستگی اور سہولت کو لازم پکڑو اور دوڑو نہیں پھر جتنی نماز
فاتموا (بخاری شریف ص۸۸ ج۱)	ملے وہ پڑھ لو اور جو جاتی رہی اس کو پورا کر لو۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر آدمی تشہد میں بھی مل جائے تو اسے نماز کا ثواب مل جائیگا ۔ اور یہی بات بعض فقہاء نے کہی ہے اور خواجہ صاحب کو بھی یہ بات تسلیم ہے چنانچہ اپنی کتاب حی علی الصلوٰۃ ص۱۲۲ پر لکھتے ہیں حنفیہ کا قول یہ ہے جسے تشہد مل گیا اسے جمعہ مل گیا وہ دو رکعتیں ہی پڑھے گا۔ انکی دلیل صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے وہ پوری کر لو جماعت میں شامل ہونے کے بعد چونکہ اس سے دو رکعتیں فوت ہوئی ہیں اسلئے اصولاً اسے دو ہی پڑھنی چاہئیں ۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔

خواجہ صاحب کی خودکشی! خواجہ صاحب نماز پیغمبر کے حوالے سے لکھتے ہیں اس کتاب کے ص۲۳۵ اور ص۱۳۹ میں مجمع الزوائد اور طحاوی کے حوالے سے عبداللہ بن مسعودؓ

عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمرؓ اور ابوالدرداءؓ وغیرہم کے متعلق دعوی کیا گیا ہے کہ وہ جماعت ہوتے فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تھے۔ خیال فرمائیے ایک طرف طبقہ اولی کی کتابیں ہیں یعنی موطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: امام شافعی کا قول ہے۔ یہ موطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہلحدیث حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۲ ج۱) (ماخوذ از حی علی الصلوٰۃ ص۱۸)

جواب: خواجہ صاحب نے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کیسی حماقت کی ہے۔ خواجہ صاحب! ادھر تو یہ بات کہتے ہیں کہ ہم اہلحدیث صرف اور صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں اور کسی کی بات نہیں مانتے مگر دوسری طرف شاہ ولی اللہ کی اندھی تقلید کرکے مشرک بن رہے ہیں کیونکہ شاہ صاحب نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی رسول۔ شاہ صاحب نے جو یہ بات کہی ہے نہ قرآن کی بات ہے نہ حدیث کی شاہ صاحب نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے مگر خواجہ صاحب اس قول کو مان کر ڈبل مشرک بن گئے کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک تقلید کرنا شرک ہے جیسا کہ سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان ص۱۱ پر مولوی ابوالشکور عبدالقادر حصاروی غیر مقلد نے لکھا ہے۔

ناظرین کرام! شاہ ولی اللہ بارہویں صدی کے بزرگ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ دوسری صدی کے بزرگ ہیں۔ اگر ہم امام ابوحنیفہؒ کا کوئی اصول پیش کریں تو کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کی بات کرو مگر جب اپنی باری آتی ہے تو بارہویں صدی کے بزرگ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی خواجہ صاحب نے جو اصول نقل کیا ہے اس کی خود ہی مخالفت بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حی علی الصلوٰۃ ص۳۱ پر لکھتے ہیں کہ اور یزید بن رومان کہتے ہیں: کان الناس یقومون فی زمان عمر بن خطاب بثلاث و

عشرین رکعۃ (موطا امام مالک صفحہ؟) حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ ۲۳ رکعتیں پڑھتے تھے، ممکن ہے اپنے طور پر کچھ لوگوں نے ۲۳ رکعتیں پڑھی ہوں تاہم یہ روایت صحیح بھی نہیں۔ قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ خواجہ صاحب کتنے مخبوط الحواس ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ صفحہ ۱۸ پر میں نے کیا لکھا ہے اور صفحہ ۳۱ پر کیا لکھ رہا ہوں۔ ادھر لکھتے ہیں کہ موطاکی تمام روایتیں صحیح ہیں اور خود ہی موطاکی روایت کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

ع اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

مغرب سے پہلے

خواجہ صاحب نے یہ سُرخی قائم کر کے آگے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو نفل پڑھنے ثابت ہیں۔ اس بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں اور آخر میں صوفی صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں سُورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی اذان جب ہوتی ہے تو اس وقت دو رکعت نماز نفل پڑھنا جائز اور مباح ہے۔ البتہ سنت یا مستحب نہیں اس لیے جمہور کا اس پر عمل نہیں رہا۔ البتہ پڑھنے والے پر نکیر نہ کیا جائے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اور احنافؒ کے نزدیک صرف غیر اُولیٰ ہے۔ (نماز مسنون صفحہ ۵۵۶، حی علی الصلوٰۃ صفحہ ۲۸)

جواب: خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کی صرف وہ عبارت نقل کی ہے جو خواجہ صاحب کو مفید تھی اور عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اہلحدیث مسلک ہی صحیح ہے اور صوفی صاحب بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

قارئین کرام خواجہ صاحب نے یہاں بھی دھوکے سے کام لیا ہے۔ صوفی صاحب کی پوری بات نقل نہیں کی۔ ہم یہاں صوفی صاحب کی پوری بات نقل کرتے ہیں۔ حضرت

صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں ص۵۵۲ تا ص۵۵۶ پر مغرب سے پہلے دو نفل پڑھنے کی بحث کی ہے۔ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل صوفی صاحب نے یہ سرخی قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل کے بارے میں امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں :

وفی المسئلة مذهبان للسلف فاستحبهما جماعة من الصحابة والتابعين ومن المتاخرين احمد واسحٰق ولم يستحبهما ابوبكر وعمر وعثمان وعلی واٰخرون من الصحابة ومالك واكثر الفقهاء (نووی مع مسلم ص۲۷۸ ج۱)

اس مسئلہ میں سلف کے دو مذہب ہیں۔ ایک گروہ اس کو مستحب کہتا ہے اسمیں صحابہ، تابعین اور فقہاء متاخرین میں امام محمد اور اسحاق ہیں دوسرا گروہ ان کے پڑھنے کو مستحب قرار نہیں دیتا اس گروہ میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی (خلفائے راشدین) اور دوسرے صحابہ کرامؓ امام مالک اور اکثر فقہا کرام (اور احناف کرام بھی اسی کے قائل ہیں)

امام نووی کا حوالہ نقل کرنے کے بعد حضرت صوفی صاحب نے پہلے پانچ روایتیں نفل پڑھنے کے حق میں نقل کی ہیں جو کہ مسلم ص۲۷۸ ج۱، بخاری ص۱۵۷ ج۱، بخاری ص۸۷ ج۱، فتح الملہم ص۳۷۲ ج۲ پر موجود ہیں۔ ان روایات کا خواجہ صاحب نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ان روایات کے بعد صوفی صاحب آگے لکھتے ہیں جو لوگ ان کے پڑھنے کو صرف مباح قرار دیتے ہیں۔ سُنّت یا مستحب نہیں سمجھتے وہ ان روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ (وہ پانچ روایتیں درج ذیل ہیں) :

(۱) عن عبد الله بن بريدةؓ عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند كل اذانين ركعتين ما خلا المغرب (دار قطنی ص۲۶۴ ج۱)

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک ہر دو اذانوں کے وقت دو رکعت ہوتی ہیں۔ ماسوا مغرب

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ اس کے سُنّت سمجھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (بخاری ص۱۵۷ ج۱)

(۳) عن حماد قال سالت ابراھیم عن الصلوٰۃ قبل المغرب فنھانی عنھا و قال ان النبیؐ و ابابکر و عمر یصلوا ھا۔
(کتاب الآثار للامام محمد صـ۶۲ مترجم)

حضرت حماد کہتے ہیں: کہ میں نے ابراہیم نخعی سے نماز مغرب سے پہلے نوافل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے منع کر دیا اور کہا بے شک آنحضرتؐ ابوبکر اور عمر نہیں پڑھتے تھے۔

(۴) عن ابراھیم قال لم یصل ابوبکر ولا عمر ولا عثمان رکعتین قبل المغرب
(مصنف عبدالرزاق صـ۴۳۵ جـ۲)

امام ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی نے نہیں پڑھے۔

(۵) عن ابن المسیب قال کان المھاجرون لا یرکعون الرکعتین قبل المغرب وکانت الانصار ترکع بھما (مصنف عبدالرزاق صـ۴۳۵ جـ۲)

حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرات مہاجرین مغرب سے پہلے دو رکعت نفل نہیں پڑھتے تھے اور حضرات انصار پڑھتے تھے۔

ان تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ مغرب کا وقت مختصر ہوتا ہے اس کے لیے تاخیر مناسب نہیں ہے۔

ناظرین کرام! ہم نے حضرت صوفی صاحب کی پوری بات نقل کی ہے جس سے ہر آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ صوفی صاحب نے انصاف سے کام لیتے ہوئے دونوں قسم کی روایات کو نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں جو تبصرہ کیا ہے وہ بالکل درست ہے مگر خواجہ صاحب نے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے مسئلہ کا ایک پہلو تو اپنی کتاب میں نقل کیا اور دوسرے پہلو کو بڑی ہوشیاری سے ہضم کر گئے۔ اس بارے میں ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرمائیں:

عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عھد رسول اللہ ﷺ یصلیھا ورخص فی الرکعتین بعد العصر قال ابوداؤد سمعت یحییٰ بن معین یقول ھو شعیب

طاؤس سے روایت ہے کہ ابن عمر سے قبل از مغرب کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کسی کو انہیں (یعنی مغرب سے پہلے دو رکعتیں) پڑھتے نہیں دیکھا اور آپ نے بعد از عصر کی دو رکعت کی رخصت

یعنی وھم شعبۃ فی اسمہ

(ابوداؤد ص ۱۸۲ ج ۱ طبع ایچ ایم سعید کراچی)

دی تھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو
کہتے سنا تھا کہ وہ شعیب ہے یعنی شعبہ کو اس کے نام میں
ہوا ہے۔ (یعنی شعبہ نے اپنے اُستاد کا نام ابوشعیب بتایا ہے

اِس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو نفل پڑھنے ثابت نہیں ہیں۔ ! خواجہ صاحب نے بھی حی علی الصلوٰۃ کے ص ۲۷ پر یہ روایت نقل کی ہے نقل کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں اس روایت کو بعض نے صحیح کہا ہے اور بعض نے اسے شعیب کا وہم قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں: سندہ لا یصح لانہ عن ابی شعیب او شعیب ولا یدری من ھو (بحوالہ عون المعبود ص ۴۹۵) اس کی سند صحیح نہیں اس لیے کہ یہ ابوشعیب یا شعیب سے مروی ہے اور نہیں معلوم یہ کون تھا۔ افسوس کہ حنفیہ نے اس مختلف فیہ روایت کو صحیحین کی روایات پر ترجیح دے دی ہے۔ پھر بھی ممکن ہے حضرت ابن عمرؓ کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو جیسے انہیں صلوٰۃ الضحٰی کا علم بھی نہیں تھا۔ (بخاری ص ۱۵۷)

جواب: خواجہ صاحب اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں اسکی سند صحیح نہیں اس لیے کہ یہ ابوشعیب یا شعیب سے مروی ہے اور معلوم نہیں کہ یہ کون تھا۔

خواجہ صاحب کی لاعلمی: خواجہ صاحب اگر تھوڑی سی تکلیف فرماتے۔ کم از کم ابنِ حجر کی تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب کا مطالعہ ہی فرمالیتے تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے مگر خواجہ صاحب نے شمس الحق عظیم آبادی کی تقلید کرنی ہے حالانکہ یہ راوی مجہول نہیں ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابنِ حجر نے تہذیب ص ۳۵۸ ج ۴ میں اور تقریب التہذیب ص ۱۴۶ میں کیا ہے اور یہ راوی ثقہ ہے۔ امام ابوزرعہ کہتے ہیں لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام ابی حاتم کہتے ہیں: کہ میں نے اپنے باپ سے شعیب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب ص ۳۵۸ ج ۴، حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس کے بارے میں

فرماتے ہیں۔ شعیب بیاع الطیالسۃ بصری لابأس بہ) ابن حجر فرماتے ہیں: کہ اس میں کوئی حرج نہیں تقریب ص۱۴۶)۔

ناظرین کرام آپ نے دیکھا کہ یہ راوی ثقہ ہے مگر خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ کون تھا۔ اور اپنی کم علمی کو سب پر ٹھونسنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

ع فریب امید کا کھانا پڑا ان کو محبت میں
خبر کیا تھی کہ ساحل پر سفینہ ڈوب جائے گا

خواجہ صاحب حی علی الصلوٰۃ ص۱۹ پر حنفیہ پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں مگر حنفیہ کے ہاں حدیث کو پرکھنے کا اور ہی معیار ہے۔ اگر کسی حدیث سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے چاہے وہ بالکل ضعیف ہی کیوں نہ ہو مگر ریکنیک اس کو صحیح کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہو تو یہ نباض ضرور اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال لیتے ہیں چاہے وہ بخاری و مسلم کی کیوں نہ ہو ان کی سب کتابیں علم کیمیا کا مظہر معلوم ہوتی ہیں۔

خواجہ صاحب الزام تو حنفیوں کو دیتے ہیں مگر اس بات پر خواجہ صاحب کا خود اپنا عمل ہے۔ خواجہ صاحب حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کیلئے کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں شعیب مروی ہے اس لیے یہ صحیح نہیں اور اس سے بڑھ کر حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے حضرت ابن عمرؓ کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو جیسے انہیں صلوٰۃ الضحیٰ کا علم بھی نہیں تھا۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ جو روایت ان کے مسلک کے خلاف ہے اسے کس طرح ضعیف کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ لیکن الزام پھر بھی حنفیوں پر ہی باقی ہے

ع میری نگاہِ شوق پہ اس درجہ سختیاں
اپنی نگاہِ شوق کی کوئی سزا نہیں!

اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ بات کہتے ہوئے بھی شرم محسوس نہیں کہ انہیں علم نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمر ہی کی بات نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں بھی یہ

بات مشہور کی جاتی ہے کہ ان کو فلاں فلاں چیز کا علم نہیں تھا۔ ناظرین کرام آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ تکنیک کون ہے اور نباض کون ہے اور علمِ کیمیا کا مظہر کون کی کتابیں ہیں)

ع جن کو دعویٰ ہے بیاباں کو سنوارا ہم نے
اُن سے پوچھو کہ اُجاڑے ہیں گلستاں کس نے

عشاء کے بعد :

خواجہ صاحب یہ سُرخی قائم کر کے آگے تراویح کی بحث کرتے ہوئے ۔ سائب بن یزید کی روایت نقل کرتے ہیں : سائب بن یزید کہتے ہیں امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم داری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ قال وکان القاری یقرء بالمئین حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر (مؤطا امام مالک منٹ)

حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا۔ قاری صاحب سو آیتوں والی سُورتیں پڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ لمبے قیام کی وجہ سے ہمیں لاٹھیوں کا سہارا لینا پڑتا اور ہم فجر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔ اس کے بعد صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفی عبدالحمید صاحب حنفی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ یہ حالت ابتداء میں تھی جب کہ رکعات کم ہوتی تھیں اور قرأت زیادہ (نماز مسنون صد ۶۰۲ ماشاء اللہ حی علی الصلوٰۃ)

جواب : ناظرین کرام خواجہ صاحب کو خدا کا خوف ہے اور نہ ہی کسی کی شرم یہاں بھی خواجہ صاحب نے وہی بات کی ہے جو ان کی عادتِ شریفہ ہے کہ جو بات ان کے حق میں تھی اسے درج کر دیا اور بقایا ساری عبارت سعودی عرب کی گرانٹ سمجھ کر ہضم کر گئے۔ صوفی صاحب کی جو بات انہوں نے نقل کی ہے اس سے وہ عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صوفی صاحب نے بھی یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے

میں گیارہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

ع غلط ہو آپ کا دعویٰ کوئی خدا نہ کرے
مگر حضور کو عادت ہے بھول جانے کی

ناظرین کرام! ہم یہاں صوفی صاحب کی پوری بات نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:
صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں ص۵۹۵ تا ص۶۲۲ پر صلوٰۃ التراویح کی مفصل بحث کی ہے جو کہ وہاں پر ہی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ صوفی صاحب نے پہلے فضائل تراویح پھر تراویح کا سنتِ مؤکدہ ہونا پھر رکعاتِ تراویح پھر کیا تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے وغیرہ کی مفصل بحث کی ہے مگر ہم یہاں پر صرف رکعات تراویح پر بحث کریں گے کیونکہ خواجہ صاحب نے اعتراض بھی اسی پر کیا ہے۔ صوفی صاحب نے بیس رکعات تراویح کے بارے میں سب سے پہلے حضورؐ کے تراویح پڑھنے کے بارے میں ترمذی شریف ص۱۳۹ ج۱ کی وہ مفصل روایت پیش کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور پھر فرماتے ہیں اہلِ علم کا قیام رمضان کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اکتالیس رکعات بمع وتر کے پڑھنی چاہئیں اور یہ قول اہلِ مدینہ کا ہے اور ان کا عمل اسی پر ہے اور اکثر اہلِ علم جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ بیس رکعات ہیں اور یہی قول امام سفیان ثوری ابن مبارک اور شافعیؒ کا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح پایا ہے۔ لوگوں کو وہ بیس رکعات پڑھتے ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں: اس بارے میں کئی رنگ ہیں یعنی مختلف اقوال ہیں قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ امام اسحٰق کہتے ہیں: ہم تو اکتالیس رکعات کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ابن مبارک امام احمد اور اسحٰق رمضان میں امام کے ساتھ جماعت میں تراویح پڑھنا زیادہ پسند کرتے

ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قاری ہے تو وہ اکیلا پڑھے یہ زیادہ بہتر ہے)۔ امام ترمذیؒ کی اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ترمذیؒ نے جو اقوال نقل کیے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک اکتالیس اور دوسرا بیس کا قول اور بیس والے قول کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ سے یہ مروی ہے مگر امام ترمذی نے آٹھ رکعات والا کوئی قول نقل نہیں کیا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آٹھ رکعات تراویح کی بدعت انگریز کے زمانے کی پیداوار ہے۔ اگر اس وقت کوئی آٹھ رکعت کا قائل ہوتا تو امام ترمذی ضرور نقل فرماتے۔

ایک شُبہ اور اس کا ازالہ

امام ترمذی نے اکتالیس کا جو قول ذکر کیا ہے اس سے کسی کو شُبہ میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ اصل تعداد تراویح کی بیس رکعتیں ہی ہیں۔ اہل مکہ چار رکعت تراویح کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے تو اہل مدینہ نے چار رکعت تراویح کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے شروع کر دیئے تو اس لحاظ سے بیس رکعات تراویح اور سولہ رکعت نفل کے اور تین رکعات وِتر کے اور دو رکعتیں وتروں کے بعد والے نفل تو یہ کل اکتالیس رکعتیں ہوگئیں۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد صوفی صاحب نے عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی کا ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں پہلے بخاری صفحہ ۲۶۹ ج ۱، مسلم صفحہ ۲۵۹ ج ۱ سے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری والی روایت نقل کی ہے پھر بیہقی صفحہ ۲۶۹ ج ۲، فتح الباری صفحہ ۱۵۶ ج ۵ و قیام اللیل صفحہ ۱۵۶، ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲، مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲، فتاویٰ بن تیمیہ صفحہ ۲۷۲ ج ۲۲، فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱۲۰ ج ۲۳، بیہقی صفحہ ۴۹۶ ج ۲ یہ سات حوالے پیش کیے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے یہ سُرخی قائم کی ہے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے ساتھ باجماعت تراویح ادا کرتے تھے۔ یہ سُرخی قائم کرنے کے بعد مدونہ کبریٰ صفحہ ۱۹۴ ج ۱ کا حوالہ دیا ہے پھر نوٹ کی سُرخی قائم کر کے لکھتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ سے اس کے علاوہ بھی روایت منقول ہے: پھر مؤطا امام مالک ص۹۲ کی وہ روایت نقل کی ہے جس کا ذکر خواجہ صاحب نے بھی کیا ہے۔ اس کے بعد مؤطا امام مالک ۹۹، سنن الکبریٰ ص ج ۲/۴۹۶ آثار سنن ص ج ۲/۵۳، کشف الغمہ ص ج ۱/۱۱۶، فتح الباری ص ج ۵/۵۷ کے حوالے پیش کیے ہیں۔ خواجہ صاحب کو اس بات پر اعتراض ہے کہ صوفی صاحب نے یہ بات کیوں کی ہے کہ یہ ابتدائی زمانے کی بات ہے ناظرین کرام صوفی صاحب نے جو یہ بات کہی ہے اس کے دلائل بھی ساتھ ہی ذکر کیے ہیں مگر خواجہ صاحب نے وہ دلائل ذکر نہیں کیے۔ اگر خواجہ صاحب صرف مؤطا امام مالک اور بیہقی شریف ہی دیکھ لیتے تو یہ اعتراض نہ کرتے مؤطا امام مالک میں ہے جیسا کہ صوفی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ اعرج سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم نے لوگوں کو اسی طرح پایا ہے کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت بھیجتے تھے (دعاؤں میں) اور قاری سورہ بقرہ آٹھ رکعت میں پڑھتا تھا اور جب وہ سورۃ بقرہ بارہ رکعت میں پڑھتا تھا۔ تو لوگ خیال کرتے تھے کہ اس نے تخفیف کی ہے۔

ناظرین کرام اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پہلے آٹھ رکعت اور بعد میں بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے امام بیہقی کا حوالہ پیش کیا ہے لکھتے ہیں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے دو روایتیں منقول ہیں گیارہ والی اور دوسری بیس والی اور دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے اس لیے کہ پہلے وہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے پھر آخر میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ (سنن الکبریٰ ص ج ۲/۴۹۶) امام شعرانیؒ اپنی کتاب کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں تراویح تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور قاری لمبی سورتیں پڑھتا تھا یہاں تک کہ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔ (اور ان دنوں میں امام حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے تئیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔ بیس رکعات تراویح اور تین وتر اور پھر اسی پر معاملہ ٹک گیا۔ مختلف شہروں میں۔ کشف الغمہ ص ج ۱/۱۱۶) اور حافظ

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اور ان روایات میں تطبیق ممکن ہے کہ یہ مختلف حالات پر مبنی ہے (فتح الباری ص ج۵) یہ نقل کرنے کے بعد صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں معاملہ مختلف رہا۔ کبھی تیرہ رکعات کبھی گیارہ رکعات کبھی اس کے علاوہ پھر آخر میں بیس پر معاملہ ٹک گیا اور تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار کا اس پر اجماع ہو گیا۔ (نماز مسنون کلاں ص)

ناظرین کرام آپ نے دیکھ لیا۔ کہ صوفی صاحب نے جو بات ذکر کی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ محدثین نے مختلف روایات میں جو تطبیق دی ہے اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ تطبیق خواجہ صاحب کو ناپسند ہے۔ صوفی صاحب نے تراویح کی بیس رکعات پر حوالہ جات نقل کیے ہیں جو کہ کتاب کی طوالت کو دیکھتے ہوئے ہم صرف حوالوں پر ہی اکتفا کریں گے ملاحظہ فرمائیں (سنن الکبریٰ ص۴۹۶ ج۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲، نیل الاوطار ص۵۷ ج۳، مہذب ص۳۲ ج۲، مغنی ابن قدامہ ص۱۶۶ ج۲، المختصر المزنی ص۳۱، حجۃ اللہ البالغہ ص۱۸ ج۲، نماز مسنون ص۶۰۳-۶۰۴ تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت پر مزید حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں: البحر الرائق ص۶۶ ج۲، مبسوط سرخسی ص۲۴۶ ج۲۔ کتاب الآثار امام ابو یوسف ص۴۱، مبسوط سرخسی ص۱۴۴ ج۲، البدائع الصنائع ص۲۸۸ ج۱، ہدایہ ص۱۵۱ ج۱، عمدۃ القاری ص۱۷۸ ج۷، فتح القدیر شرح ہدایہ ص۳۳۳ ج۱، الاشباہ والنظائر ص۴۷، کنز الدقائق ص۳۶، فتاویٰ قاضی خان ص۱۱۱ ج۱، درمختار ص۴۷۲ ج۱، ردالمحتار ص۴۷۲ ج۱، فتاویٰ عالمگیری ص۹۰ ج۱، مرقاۃ المفاتیح ص۱۷۴ ج۲، شرح نقایہ ص۱۰۴ ج۱، کبیری ص۳۸۸، عمدۃ الرعایہ، شرح وقایہ ص۱۷۵ ج۱، تحفۃ الاخیار ص۲۰۹، تصفیۃ العقائد ص۳۸-۳۹، الحق الصریح ص۱۹، الرای النجیح فی عدد رکعات تراویح بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ص۳۱۴، العرف الشذی ص۳۲۹، حاشیہ بخاری ص۱۵۴ ج۱، حاشیہ کنز الدقائق ص۳۶، بذل المجہود ص۳۰۴ ج۲، فتح الملہم ص۲۹۱ ج۲، اوجز المسالک ص۳۹۳ تراویح کی مفصل بحث "رکعاتِ تراویح" میں ملاحظہ فرمائیں)

؏ دل کو نہیں حقیقتِ دل کو بغور دیکھ ٭ یہی تو ہے وہ قطرہ کہ دریا کہیں جسے

وتر ایک رکعت

خواجہ صاحب حی علی الصلوٰۃ ص۴۰ تا ص۴۸ پر ایک رکعت وتر کی بحث کرتے ہیں خواجہ صاحب نے یہاں پر بھی پہلے اپنے دلائل ذکر کیے ہیں اور بعد میں حنفیوں کے دلائل کا رد کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے تین وتر پڑھنے کا ایک طریقہ ص۴۵ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ایک طریقہ یہ ہے کہ نمازی پہلے سلام پھیر دے (پہلی دو رکعتوں پر) اور پھر ایک وتر الگ پڑھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے

کان یسلم بین الرکعۃ والرکعتین فی الوتر حتیٰ یأمر ببعض حاجتہ (بخاری ص۱۳۵ ج۱ (موطا امام مالک ص۴۴) کہ وہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے یہاں تک کہ کسی کو کوئی کام بھی کہہ دیتے اور پھر ایک رکعت پڑھتے۔ یہ بات نقل کرنے کے بعد صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ صوفی عبدالحمید صاحب سواتی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہ مسئلہ بنا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس سے مطلقاً وتر کا ایک رکعت ہونا ثابت کرنا دشوار ہے (نماز مسنون ص۶۴۴)

سوال یہ ہے کہ کیا حنفیہ کے نزدیک کوئی صورت ایسی ہے کہ گفتگو کرنے کے بعد بھی پہلے پڑھی گئی نماز پر بنا ہو سکتی ہے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۴۵)

جواب: خواجہ صاحب نے یہاں بھی صوفی صاحب کی ایک بات لے کر اس پر اعتراض کر دیا ہے۔ لیکن آگے اور پیچھے والی عبارت کو حذف کر گئے ہیں جو کہ ان کی پرانی عادت ہے اور وہ اسے کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔

؏ وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری بات نقل کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں ص ۶۲۳ تا ص ۶۵۷ پر صلوٰۃ الوتر کی مفصل اور مدلل بحث کی ہے جس کا ذکر خواجہ صاحب نے بالکل نہیں کیا۔ صوفی صاحب نے خاص طور پر تین باتیں ذکر کی ہیں۔ پہلی بات کہ نمازِ وتر واجب ہے۔ دوسری رکعاتِ وتر اور تیسری یہ کہ وتر میں ایک سلام یا دو سلام۔ یہاں پر صرف رکعاتِ وتر کی بحث کی جاتی ہے۔ اصل میں وتر تین رکعت ہی ہیں اس کے ثبوت میں حضرت صوفی صاحب نے ستائیس حوالے درج کیے ہیں۔ ہم یہاں پر صرف حوالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں چنانچہ مسلم ص ۲۶۲ ج ۱، مسلم ص ۲۶۱ ج ۱، مسلم ص ۲۶۱ ج ۱، بخاری ص ۱۵۳ ج ۱، مسلم ص ۲۶۱ ج ۱، مسلم ص ۲۶۰ ج ۱، مسلم ص ۲۵۹ ج ۱، بخاری ص ۱۵۳ ج ۱، مسلم ص ۲۵۴ ج ۱، مسلم ص ۲۵۴ ج ۱، مسلم ص ۲۵۴ ج ۱، مسلم ص ۲۵۵ ج ۱، مسلم ص ۲۵۵ ج ۱، مسلم ص ۲۵۳ ج ۱، بخاری ص ۱۵۵ ج ۱، مصنف عبدالرزاق ص ۲۸ ج ۳، مسلم ص ۲۵۶ ج ۱، مسلم ص ۲۵۷ ج ۱، مسلم ص ۲۵۷ ج ۱، موطا امام مالک ص ۴۳، مسلم ص ۲۵۷ ج ۱، مسلم ص ۲۵۷ ج ۱، مسند امام اعظم ص ۹۱، طحاوی ص ۱۶۸ ج ۱، ترمذی ص ۹۳ ج ۱، مستدرک حاکم ص ۳۰۵ ج ۱، ابن ماجہ ص ۸۲، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی ص ۲۵۹، نسائی ص ۲۴۹ ج ۱، مسند احمد ص ۲۰۶ ج ۲، نسائی ص ۲۵۱ ج ۱، موطا امام محمد ص ۱۵۰، کتاب الحجہ ص ۱۹۶ ج ۱، مصنف عبدالرزاق ص ۳۴ ج ۳، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۲ تا ص ۲۹۴ ج ۲ پر یہ احادیث مذکور ہیں۔ اس بحث کے بعد صوفی صاحب یہ سرخی قائم کرتے ہیں کہ وتر میں ایک سلام یا دو۔ آگے حنفیوں کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وتر کی تینوں رکعات میں صرف ایک ہی آخر میں سلام ہے۔ ہدایہ ص ۹۴ ج ۱ شرح نقایہ ص ۹۷ ج ۱، کبیری ص ۴۱۱ و ص ۴۱۲ اس کے بعد امام مالکؒ کا مسلک نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وتر تین رکعت ہی ہیں لیکن دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا جائز ہے اور پھر تیسری رکعت الگ پڑھنی جائز ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک کی دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے اور درمیان میں بعض ضروری باتوں کے بارے میں حکم دیتے تھے اور پھر تیسری رکعت پڑھتے۔ موطا امام مالکؒ ص ۱۱۰ شارحین کرام

یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر تو تین رکعت اکٹھی ہی پڑھتے تھے لیکن اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو درمیان میں سلام پھیر کر اس بات کو پورا کرنے کے بعد پھر اسی سابقہ وتر پر بنا کرتے تھے۔ بہرحال یہ مسئلہ بنا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس سے مطلقاً وتر کا ایک رکعت ہونا ثابت کرنا دشوار ہے۔ اس کے بعد آگے احنافؒ کے دلائل ذکر کیے ہیں جن سے ایک سلام سے تین وتر پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

ناظرین کرام ہم نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ خواجہ صاحب کو صوفی صاحب سے یہ شکایت ہے کہ صوفی صاحب نے یہ بات کیوں لکھی ہے کہ بہرحال یہ مسئلہ بنا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور خواجہ صاحب نے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ بات ذکر کر دی کہ حنفیوں کے نزدیک نماز میں گفتگو کرنے کے بعد بنا نہیں ہوتی اور صوفی صاحب اسے بنا شمار کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام صوفی صاحب یہاں پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ وتر کی ایک رکعت ہے کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ دو پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیتے تھے اور پھر تیسری رکعت الگ پڑھتے تھے۔ صوفی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ پہلے جو دو رکعتیں پڑھتے تھے انہیں شمار کرتے تھے اور اسی بات کو بنا کہتے ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک وتر پڑھنے کا یہ طریقہ درست ہے۔ صوفی صاحب عبداللہ بن عمرؓ کے اس طریقے کو بنا پر محمول کر رہے ہیں نہ یہ کہ فقہ حنفی کا مسئلہ بتا رہے ہیں۔ خواجہ صاحب کی چالاکی دیکھیے کہ بات عبداللہ بن عمرؓ کی اور امام مالکؒ کے مسلک کی ہو رہی ہے اور خواجہ صاحب نے تقابل حنفی مسلک سے کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ حنفی مسلک کے دلائل صوفی صاحب نے اس کے بعد ذکر کیے ہیں یہ بات درست ہے کہ حنفی مسلک میں گفتگو کرنے کے بعد بنا درست نہیں ہوتی مگر یہاں پر یہ بحث نہیں یہاں پر تو صرف یہ بات ہو رہی ہے کہ اس روایت سے ایک وتر ثابت

نہیں ہوتا اور یہ بات خواجہ صاحب کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں احادیث مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا تین اور پانچ وتر کی صورت میں صرف آخری رکعت میں بیٹھنا چاہیئے۔ نو کی صورت میں آٹھویں میں بھی بیٹھنا چاہیئے اور سات کی صورت میں دونوں طرح اختیار ہے یعنی چھٹی رکعت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے آگے لکھتے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت کے بعد پہلے سلام پھیر دے۔ اور پھر ایک وتر الگ پڑھے جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے (حیّ علی الصّلوٰۃ ص۴۵)

ناظرین کرام جو بات صوفی صاحب نے کہی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ تین رکعات پڑھتے تھے وہی بات خواجہ صاحب نے تسلیم کر لی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ تین رکعات پڑھتے تھے۔ صوفی صاحب نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ بناء سے تعلق رکھتی ہے۔ اپنی طرف سے نہیں کہا یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی لکھی ہے چنانچہ حافظ صاحب عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ظاہرہ انه کان یصلی الوتر موصولاً فان عرضت له حاجة فصل ثم بنی علی مامضی (فتح الباری ج۲ ص۴۸۲) یعنی حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمرؓ ہمیشہ وتر تین رکعت موصول پڑھا کرتے تھے جب کوئی حاجت لاحق ہوتی تو فصل کرتے پھر اس پر بناء کرتے۔ اسی طرح قسطلانی شرح صحیح بخاری میں بھی ہے! اور فقہ مالکی کی مشہور کتاب مدونۃ الکبریٰ ج۱ ص۱۲۶ پر بھی یہ بات موجود ہے کہ وقال مالك لا ینبغی لاحد ان یوتر بواحدة لیس قبلها شیئ لا فی حضر ولا فی سفر ولکن یصلی رکعتین ثم یسلم ثم یوتر بواحدة۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وتر ایک رکعت پڑھے کہ اس ایک رکعت سے پہلے کوئی چیز نہ ہو نہ سفر میں اور نہ حضر میں لیکن چاہیئے کہ دو رکعتیں پڑھے پھر سلام پھیرے پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔

ناظرین کرام فتح الباری اور مدونۃ الکبریٰ کے حوالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے

کہ عبداللہ بن عمرؓ بنا کرتے تھے اور یہ مسلک امام مالکؒ کا ہے اور حضرت صوفی صاحب بھی یہی بات کہہ رہے ہیں مگر خواجہ صاحب کی ہٹ دھرمی دیکھئے کہ صاف اور سیدھی سی بات کو کس طرح اُلجھا کر فقہ حنفی سے تعارض ثابت کر رہے ہیں اور باطل تاویل کا سہارا لے رہے ہیں۔

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے چھپایا نہ جائے گا

اَب تفصیل کی ضرورت تو نہیں مگر شاید کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ حنفی عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احنافؒ کے پاس تین رکعت ایک سلام کے ساتھ تین وتر کے بارے میں متعدد دلائل موجود ہیں اور خود عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں پہلے وضاحت ہو چکی ہے کہ وہ خود بھی اکثر تین وتر اکٹھے ہی پڑھتے تھے کیونکہ روایت میں تصریح موجود ہے کہ جب کوئی حاجت ہوتی تو وہ ایسا کرتے تھے۔ اَب ہم حنفی مسلک کا صرف ایک حوالہ ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشۃ ان رسول اللہؐ کان لا یسلّم فی رکعتی الوتر	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(نسائی ج ۱ ص ۲۴۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵)

ناظرینِ کرام! ہم نے کتاب کے حجم کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر صرف ایک ہی روایت نقل کی ہے۔ اگر تفصیل درکار ہو تو نمازِ مسنون کلاں ص ۶۲۱ تا ص ۶۲۲ پر ملاحظہ فرمالیں:

قنوتِ نازلہ

خواجہ صاحب یہ سُرخی قائم کر کے آگے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت پانچوں نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنا سُنّت ہے۔ اس کے بعد حنفیوں اور

شافعیوں کا ردّ بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں : لہٰذا حنفیوں کا فرض نمازوں میں دُعائے قنوت کو ہمیشہ منسوخ سمجھنا (ہدایہ ص۱۰۵) اور شافعیہ کا بالخصوص صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھنا خلافِ سُنّت ہے کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جسمیں یہ ہو کہ آپ صبح کی نماز میں ہمیشہ دُعائے قنوت پڑھتے تھے آگے صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفی عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں جمہور فقہائے احناف کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ۔ کا پڑھنا درست ہے چاہے التزام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ (نماز مسنون ص۶۵۱) یہ الفاظ لکھنے سے پہلے نہ جانے صوفی صاحب نے ہدایہ کا مطالعہ فرما لیا تھا۔ یا نہیں یا کہیں ایسی بات تو نہیں کہ انہوں نے خدانخواستہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کو جمہور فقہائے احناف کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۵۶)

جواب : ناظرین کرام یہاں بھی خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کی پوری بات ذکر نہیں کی صوفی صاحب نماز مسنون ص۶۵۰ تا ص۶۵۲ پر قنوتِ نازلہ کی بحث کرتے ہیں جو کہ خواجہ صاحب نے ذکر نہیں کی اور صرف ایک عبارت کو پکڑ کر اعتراض کر دیا یا تو خواجہ صاحب مسئلہ کو کو خود سمجھے ہی نہیں یا پھر عوام کو دھوکہ دینے کے لیے اپنا شاطرانہ انداز شروع کر دیا۔

ع ہم دُعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے

ایک نقطے نے ہمیں محرم سے مجرم بنا دیا

ہم یہاں پر مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ قنوت کی تین قسمیں ہیں

پہلی قسم : قنوت فی الوتر

دوسری قسم : قنوت فی صلوٰۃ الفجر دائمًا

تیسری قسم : قنوتِ نازلہ

ہم یہاں پر صرف قنوتِ نازلہ کی بحث کریں گے۔ اس سے پہلے کہ ہم قنوتِ نازلہ پر کچھ لکھیں تھوڑی تھوڑی ان تینوں قسموں کی وضاحت کرتے ہیں۔

قنوت فی الوتر سے مُراد وہ قنوت ہے جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے۔ احناف کے

نزدیک یہ دعائے قنوت پورا سال وتروں میں پڑھنا ثابت ہے۔

دوسری قسم قنوت فی صلوٰۃ الفجر دائماً: اس سے مُراد یہ ہے کہ قنوت فجر کی نماز میں پُورے سال پڑھی جائے چاہے نوازل ہو یا نہ ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

تیسری قسم قنوتِ نازلہ: یہ قنوت وہ ہے جو نہ صرف فجر کی نماز میں مُصیبت و بلا کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ تمام نمازوں میں اس کا پڑھنا جائز ہے۔ ہم نے قنوت کی تینوں قسموں کی وضاحت کر دی ہے تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے۔ اَب مسئلہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ حضرت صوفی صاحب قنوتِ نازلہ کی بحث کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ جمہور احناف کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ کا پڑھنا درست ہے چاہے التزام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو یعنی جب تک یہ مصیبت و بلا موجود ہو خواجہ صاحب کو یہ شکایت ہے کہ صوفی صاحب نے یہ بات کیوں کہی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ محترم قارئین خواجہ صاحب کی ہٹ دھرمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور خواجہ صاحب اسے کیا بنا رہے ہیں۔

؏ سمجھنے کو تو وہ سب داستانِ غم سمجھتے ہیں
جو مطلب کہنے والے کا ہے اسکو کم سمجھتے ہیں

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ جس قنوت کو فجر کی نماز میں منسُوخ کہہ رہے ہیں وہ قنوت فی صلوٰۃ الفجر دائماً ہے اور خواجہ صاحب اسے قنوتِ نازلہ بنا رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ قنوتِ نازلہ کو منسُوخ نہیں مانتے اس لیے صوفی صاحب کی بات میں بالکل تعارض نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ نہ جانے صوفی صاحب نے ہدایہ کا مطالعہ فرمایا تھا یا نہیں۔ خواجہ صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ صوفی صاحب سالہا سال ہدایہ پڑھاتے رہے ہیں اور الحمد للہ بات کو صحیح سمجھا بھی ہے مگر حیرانگی تو آپ جیسے لوگوں پر ہے کہ جو ہدایہ کی ایک عام فہم عبارت کو سمجھنے سے بھی

قاصر ہیں اور اگر آپ کو ہدایہ صحیح سمجھ نہیں آتا تو کسی حنفی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں تو یہ بہتر ہوگا ورنہ اس قسم کے ڈھکوسلے چھوڑتے رہیں گے۔ اور صحیح باتیں بھی آپ کو ٹیڑھی نظر آئیں گی۔

؎ دیدِ لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

نیز خواجہ صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ صوفی صاحب نے یہ بات کیوں کی ہے کہ چاہیے التزام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے امام شافعیؒ کے مسلک کی تردید کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے یہ بات لکھی ہے جو کہ اوپر گزر چکی ہے۔

جواب : ان الفاظ سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ قنوتِ نازلہ التزام کے ساتھ پڑھنا الگ چیز ہے اور قنوت فی صلوۃ الفجر دائماً الگ چیز ہے۔ اگر مصیبت لگاتار ہو تو قنوتِ نازلہ کا التزام کرنا درست ہے جب تک کہ وہ مصیبت ختم نہ ہو جائے جیسا کہ افغانستان، فلسطین اور انڈیا وغیرہ کے مسلمانوں پر مصیبتیں لگاتار جاری ہیں تو اگر یہ حضرات التزام کریں تو کوئی حرج نہیں اور نہ یہ بات کسی حدیث کے خلاف ہے! ہاں جہاں یہ کیفیت نہ ہو وہاں پر التزام مناسب نہیں جب مصیبت آئے تو پڑھ لے!

قنوت کے لیے ہاتھ اُٹھانا

یہ سُرخی قائم کر کے لکھتے ہیں کہ قنوت کے لیے ہاتھ اُٹھانے کی روایت نازلہ کے بارے میں تو نبی کریمؐ سے موجود ہے (مسند احمد ج۳ ص۱۳۷) وتر کے بارے میں کوئی مرفوع روایت نہیں ملتی۔ اِلّا یہ کہ اسے اس پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ بات تو ایک ہی ہے نیز جزء رفع الیدین للبخاری میں عبداللہ بن مسعود سے قنوتِ وتر میں (ص۳۱) اور قیام اللیل للمروزی میں ابن مسعودؓ کے علاوہ ابوہریرہؓ اور کچھ تابعین سے باقاعدہ قنوتِ رمضان میں

ہاتھ اُٹھانے کا ثبوت ملتا ہے (ص۲۴۳) حنفیہ قنوت کے لیے پہلے تکبیر کہتے ہیں اور رفع یدین کرتے ہیں نہ جانے کہ انہوں نے یہ مسئلہ کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔

(آگے صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ صوفی عبد الحمید صاحب قنوتِ وتر میں رفع یدین کے تحت ساری بحث نقل کرنے کے بعد نصب الرایہ ص۳۹۱ ج۱ کے حوالے سے لکھتے ہیں قنوتِ وتر کے وقت رفع یدین کے سلسلے میں احادیث تواتر کے ساتھ ثابت ہیں (نماز مسنون ص۶۴۶) کاش صوفی صاحب ان متواتر احادیث میں سے کوئی ایک حدیث ہی نقل فرمادیتے تاکہ خاکسار کی معلومات میں بھی اضافہ ہوجاتا یا شاید یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کو ہی پیغمبر خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ سرفہرست انہوں نے انہی کا قول پیش کیا ہے۔ (نماز مسنون ص۶۴۵) (حی علی الصلوٰۃ ص۵۳)

جواب: ناظرین کرام والد محترم حضرت صوفی صاحب کی عبارت میں احادیث سے مراد صحابہ کے اقوال و افعال مراد ہیں۔ چنانچہ صوفی صاحب نے نماز مسنون ص۶۴۵ تا ص۶۴۶ پر قنوتِ وتر میں رفع یدین کا ذکر کیا ہے اور اس بارے میں سات حوالے ذکر کیے ہیں ملاحظہ فرماتے ہیں (کتاب الحجہ ص۱۹۹ ج۱، درمختار ص۴۲ ج۱۔ جزء رفع یدین امام بخاری ص۲۸ بدائع الفوائد لابن قیم ص۹۴ ج۴، مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۰۷ ج۲، ازالۃ الخفاء ص۹۴ ج۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۰۰ ج۱ طحاوی ص۳۹۱ ج۱، نصب الرایہ ص۳۹۱ ج۱، آثار السنن ص۱۸ ج۲) مگر خواجہ صاحب نے ان میں سے ایک کا ذکر بھی نہیں کیا اور وہ کرتے بھی کیوں کیونکہ ان کا مقصد تو عوام کو دھوکا دینا ہے۔

ع فریب دے کے لیا دل تو کیا کیا تم نے
بتائیں ہم تمہیں آتا نہیں اگر لینا

صوفی صاحب پر خواجہ صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ صوفی صاحب نے نصب الرایہ کے حوالے سے یہ جو بات لکھی ہے کہ قنوت وتر کے وقت رفع یدین کے سلسلے میں احادیث تواتر کے ساتھ ثابت ہیں یہ غلط ہے۔ ناظرین کرام خواجہ صاحب کو نہ جانے وہ حوالے نظر

کیوں نہیں آئے جو صوفی صاحب نے دیئے ہیں۔ یہ احادیث نہیں تو اور کیا ہیں خواجہ صاحب عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں حضورؐ کی کوئی قولی یا فعلی حدیث موجود نہیں ہے اور اسی کو وہ احادیث سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ لفظ حدیث میں حضور علیہ السلام کے قول، فعل اور تقریر یہ سب چیزیں آجاتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ خواجہ صاحب اصول حدیث سے بالکل ہی نابلد ہیں۔ اگر کچھ نہیں تو صرف نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کی الحطہ فی ذکر صحاح ستہ ہی دیکھ لیتے تو ان کی تسلی ہو جاتی۔

ع ضرورت کیا ہمیں تیغ و تبر کی
ادا کافی ہے اک ترچھی نظر کی

چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں: قلت۔ الحدیث فی اصطلاح جمهور المحدثین یطلق علیٰ قول النبیؐ وفعله وتقریره ومعنی التقریر انه فعل احد او قال شیئاً فی حضرته صلی الله علیه وسلم ولم ینکره ولم ینهه عن ذٰلك بل سکت وقرر وکذٰلك یطلق علیٰ قول الصحابی وفعله وتقریره وعلیٰ قول التابعی وفعله وتقریره (الحطہ فی ذکر صحاح ستہ ص۵۶)

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق حضورؐ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے، تقریر کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی حضورؐ کی موجودگی میں لیکن حضورؐ نے اسے ناپسند نہ سمجھا اور نہ ہی اس بات سے منع کیا بلکہ خاموش رہے اور برقرار رکھا۔ اور اسی طرح صحابیؓ کے قول فعل اور تقریر اور تابعی کے قول فعل اور تقریر پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

ناظرین کرام! نواب صاحب کی اِس عبارت سے بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ احادیث کا اطلاق حضورؐ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال و افعال پر حدیث کا اطلاق کرنا صحیح ہے لیکن خواجہ صاحب ہی ایک ایسے آدمی ہیں جنہیں جمہور اہلِ اسلام کے اس اصول سے اختلاف ہے حالانکہ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد بھی اسی بات کو تسلیم کر رہے ہیں! صوفی صاحب

نے نصب الرایہ کے حوالے سے جو بات لکھی تھی وہ علامہ ابن دقیق العید کی بات ہے
چنانچہ علامہ زیلعیؒ امام ابن دقیق العید کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقد تواترت الاخبار بالرفع فی غیرها کثیراً فیها الاستسقاء ودعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورفعه علیه السلام یدیه فی الدعاء فی الصلوٰت وامره به ورفع الیدین فی القنوت فی صلوٰة الصبح والوتر اھ (بحوالہ نصب الرایہ صفحہ ۳۹)

ان مقامات کے علاوہ بھی متواتر اخبار سے بکثرت رفع الیدین ثابت ہے مثلاً استسقاء میں اور نمازوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور آپ کا اس بارے حکم کرنا اور فجر کی نماز میں قنوت کے وقت اور وتر میں قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا۔

صوفی صاحب نے صرف اخبار کا ترجمہ احادیث کیا ہے تاکہ عوام بات کو سمجھ جائیں نیز خواجہ صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ یا شاید یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کو ہی پیغمبر خیال کرتے ہیں کیونکہ سر فہرست انہوں نے انہی کا قول پیش کیا ہے۔ اس کے جواب میں پہلے تو ہم یہ کہتے ہیں ؛ لعنة الله علی الکاذبین۔

حنفی نہ تو امام ابو حنیفہؒ کو پیغمبر خیال کرتے ہیں اور نہ ہی معصوم مانتے ہیں۔ خواجہ صاحب جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ خواجہ صاحب کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ صرف ایک ہی حوالہ ایسا پیش کریں کہ جس میں حنفیوں نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو پیغمبر مانا ہو یا صوفی صاحب نے کہیں یہ بات لکھی ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ امام ابو حنیفہؒ کا حوالہ سر فہرست لکھا ہے تو خواجہ صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ صوفی صاحب نے پہلے دو حوالے حنفی مسلک کی وضاحت کے لیے لکھے ہیں۔ بعد میں ۱ پر عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے۔ خواجہ صاحب تعلیقاتِ سلفیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دعائے قنوت کے وقت ہاتھ اُٹھانا سنت ہے۔ خواجہ صاحب کی عبارت یہ ہے۔ تعلیقاتِ سلفیہ میں فتاویٰ شیخ حسین صفحہ ۵۸ کے حوالے سے لکھا ہے۔ دعائے قنوت کے وقت دعا کرنے والے کی طرح ہاتھ اُٹھانا سُنت ہے۔

یہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے۔
(حی علی الصلوٰۃ ص۵۳) نہ جانے خواجہ صاحب یہ عبارت لکھتے وقت اونگھ رہے تھے۔
کیونکہ خواجہ صاحب نے جن صحابہ کرامؓ کا نام لیا ہے۔ کاش کہ خواجہ صاحب ان میں سے
کسی کی کوئی حدیث نقل کر دیتے تاکہ خاکسار کی معلومات میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ شاید
خواجہ صاحب عطاء اللہ حنیف کو پیغمبر خیال کرتے ہیں کہ ان کی بات بغیر کسی دلیل کے
نقل کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب میں اگر ہمت ہے تو ایک حدیث ایسی پیش کریں جس
میں یہ ہو کہ دعائے قنوت پڑھتے وقت ہاتھوں کو اٹھائیے اور اختتام پر ہاتھ منہ پر پھیرے
آج تک کوئی غیر مقلد اپنا یہ عمل ثابت نہیں کر سکا اور نہ ثابت کر سکتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب
میں ہمت ہے تو وہ بھی زور آزمائی کر لیں۔

ع زورِ باز آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

ادھر خواجہ صاحب حنفیوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے تھکتے نہیں کہ حنفی قیاس پر
عمل کرتے ہیں اور قیاس کرنا شیطان کا کام ہے مگر خواجہ صاحب خود یہ کام کرتے ہوئے
کیوں شرم محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ خواجہ صاحب قیاس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وتر کے
بارے میں کوئی مرفوع روایت نہیں ملتی۔ الّا یہ کہ اسے اس پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ
بات تو ایک ہی ہے اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں تو جب وتر کے علاوہ قنوت
میں (قنوتِ نازلہ) نبیؐ سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے تو وتر میں بھی اسی طرح ہیں کیونکہ دونوں
قنوتوں کے دعا ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ قارئین کرام پہلی بات میں تو صاف صریح موجود ہے
کہ خواجہ صاحب قیاس کو مان رہے ہیں دوسری بات میں قیاس کا لفظ تو نہیں لکھا مگر
صبح کی قنوت پر وتروں کی قنوت کو قیاس کر رہے ہیں! اسے کہتے ہیں:

ے شیخ بھی خوش رہے شیطان بھی ناراض نہ ہو

خواجہ صاحب کا بھولا پن

خواجہ صاحب لکھتے ہیں : حنفیہ قنوت کے لیے پہلے تکبیر کہتے ہیں اور رفع یدین کرتے ہیں نہ جانے انہوں نے یہ مسئلہ کس حدیث سے اخذ کیا ہے (حی علی الصلوٰۃ صہ۵۳)

قارئین کرام ! آپ حیران ہوں گے کہ خواجہ صاحب کو کیا ہو گیا نہ جانے یہ بات لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کا دماغ کہاں پہنچا ہوا تھا۔ جن روایات سے احناف نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے وہ روایات صوفی صاحب نے نماز مسنون کے صہ۶۴۲ پر درج کی ہیں اور خواجہ صاحب کو وہ روایتیں کیسے نظر آئیں کہ انہوں نے تو آنکھیں بند کی ہوئی ہیں حالانکہ خواجہ صاحب حی علی الصلوٰۃ کے اسی صفحہ پر خود ہی وہ روایت نقل کرتے ہیں جس سے احناف استدلال کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے وہی روایت جزء الرفع الیدین للبخاری صہ۳۱ کے حوالے سے درج کی ہے۔ مگر لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ احناف کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور روشن دن کو رات کہنے پر تُلے ہوئے ہیں :

ع کہہ رہا ہے موجِ دریا سے سمندر کا سکوں
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

آخر میں ہم خواجہ صاحب کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ آپ جو وتروں میں دُعائے قنوت کے وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں اور دعا کے ختم پر ہاتھ منہ پر پھیر لیتے ہیں کسی ایک صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں۔ مگر کسی کا قیاس پیش نہ کریں کیونکہ یہ تقلید ہے اور نہ خود قیاس کر کے شیطان بنیں۔

ع چھپائیں گے کہاں تک راز محفل شمع کے آنسو
کہے گی خاک پروانہ کہ پروانے پر کیا گزری

بیٹھ کر نوافل : یہ سُرخی قائم کر کے خواجہ صاحب آگے مختلف روایات نقل

کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ بیٹھ کر بھی نفل پڑھ لیتے تھے اور کھڑے ہو کر بھی۔
بعض اوقات قرآت بیٹھ کر کرتے تھے اور رکوع کے وقت کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس
بحث کے آخر میں صوفی صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے کہ صوفی عبدالحمید صاحب مولانا
محمود حسن دیوبندی کا قول نقل فرماتے ہیں۔ چاہے نصف ثواب ہی ملے لیکن آنحضرتؐ
کی اتباع میں تو ہم بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ (نماز مسنون ص۶۵۳) اس پر اعتراض کرتے ہوئے
لکھتے ہیں۔ قاری اس فقرے سے یہ تأثر لے سکتا ہے۔ شاید ان لوگوں کے دل میں نبی
علیہ السلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو نبی علیہ السلام
جلسہ استراحت بھی فرمایا کرتے تھے۔ عن مالک بن حویرث (بخاری ص۱۱۳) فجر
کی سنتیں پڑھ کر لیٹ بھی جایا کرتے تھے۔ (عن عائشہ بخاری ص۱۵۵) اور آخری قعدے
میں تورک بھی فرمایا کرتے تھے (عن ابی حمید السعیدی بخاری ص۱۱۴)
ہے جرأت اتباع

جواب: ناظرین کرام! صوفی صاحب نے (نماز مسنون ص۶۵۳) پر وتر کے بعد
دو رکعت نفل کی بحث کی ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں: (وتر کے بعد دو نفل) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر ادا کیے ہیں جیسا کہ بخاری ج۱ ص۱۵۵، ابن ماجہ ص۸۳، طحاوی ج۱ ص۲۰۲
میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً بسند صحیح مروی ہے۔ حضرت ثوبانؓ سے
مرفوعاً بسند حسن دارمی ج۱ ص۳۱۲، طحاوی ج۱ ص۲۰۲، دارقطنی ج۲ ص۳۶ میں موجود ہے اور حضرت ابو
امامہؓ سے مرفوعاً طحاوی ج۱ ص۲۰۲، مسند احمد ج۵ ص۲۶ میں بسند حسن مروی ہے لیکن علمائے کرام یہ
فرماتے ہیں یہ سب آپ کی خصوصیات میں شامل ہے کہ آپؐ کو بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کھڑے
ہونے کی طرح پورا ثواب ملتا ہے۔ دوسرے لوگوں کا یہ حکم نہیں ان کو بیٹھ کر نصف ثواب
ملے گا۔ اس کے بعد آگے لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے

کہ چاہے ثواب نصف ہی ملے لیکن آنحضرتؐ کی اتباع میں تو ہم بیٹھ کر ہی پڑھیں گے
ہم نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ خواجہ صاحب کو جو اعتراض ہے وہ
یہ ہے کہ صوفی صاحب مولانا شیخ الہندؒ کی بات سے عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ
حنفی بہت زیادہ حضورؐ کا اتباع کرتے ہیں جیسا کہ خواجہ صاحب کی عبارت اُوپر گزر چکی ہے
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ ان کا ایک دھوکہ ہے۔ اگر واقعی انہیں حضورؐ کی تابعداری کا
دعویٰ ہے تو پھر جلسہ استراحت کیوں نہیں کرتے۔ آخری قعدے میں تورک کیوں نہیں کرتے
فجر کی سنتیں پڑھ کر کیوں نہیں لیٹتے۔

ناظرین کرام ہر بات کا تفصیل کے ساتھ جواب ملاحظہ فرمائیں۔

جلسہ اِستراحت

جلسہ استراحت کے بارے میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ ایک وہ جن میں جلسۂ استراحت کا ذکر ہے اور دوسری وہ ہیں جن میں جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں ہے۔ جن روایات میں جلسۂ استراحت کا ذکر ہے اسے ہم حالتِ عُذر پر محمول کرتے ہیں اور اصل مسئلہ یہی ہے کہ جلسۂ استراحت نہ کیا جائے۔ اس بارے میں حضرت صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں ص۳۶۲ پر چار حوالے پیش کیے ہیں جن میں سے ایک حوالہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ عن ابی ھریرۃ (فی حدیث مسیئی الصلوٰۃ مرفوعاً) ثم اسجد حتّٰی تطمئن ساجداً ثم ارفع تستوی وتطمئن جالساً ثم اسجد حتّٰی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتّٰی تستوی قائماً (بخاری ج۲ ص۹۸۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ... ... پھر تم اطمینان سے سجدہ کرو اور پھر سر سجدے سے اُٹھاؤ اطمینان سے سیدھے بیٹھو اور پھر اطمینان سے دوسرا سجدہ کرو پھر سر سجدے سے اُٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)

سُنّتِ فجر کے بعد لیٹنا

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ رات کے آخری حصے میں تہجد اور وتر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے یہاں تک فجر کا وقت آجاتا پھر فجر کی دو رکعت سُنّت ادا کرتے لیکن ابھی چونکہ جماعت میں وقت زیادہ باقی رہتا اور لوگوں کے آنے کا انتظار رہتا اس لیے رات کے جاگنے اور عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی حضورؐ آرام کے لیے تھوڑی دیر لیٹ جایا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ نہیں لیٹے بلکہ حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتے رہے۔ بخاری شریف میں حضورؐ کے یہ دونوں معمول بیان کیے گئے ہیں۔

عن عائشة قالت كان النبیؐ اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقه الایمن (بخاری ص۱۵۵ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ چکتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

یہ روایت تو خواجہ صاحب نے بھی نقل کی ہے مگر جس میں لیٹنے کا ذکر نہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

عن عائشةؓ ان النبیؐ اذا صلی فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع حتی یوذن بالصلوٰة (بخاری ص۱۵۵ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ جب نماز پڑھ چکتے (تہجد کی) اور میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ نماز کے لیے اذان دی جاتی۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب یوں قائم کیا ہے۔ باب من تحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع دو رکعت کے بعد گفتگو کرنے اور نہ لیٹنے کا بیان

ویسے احادیث اس بارے میں مختلف ہیں کہ حضورؐ سنتِ فجر سے پہلے لیٹتے تھے یا بعد میں دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔ دیکھئے اوجز المسالک ص۱۱۲ ج۱ مگر اس طرح لیٹنے کا

کیا مقصد تھا۔ حضرت عائشہؓ ہی اسے بیان فرماتی ہیں۔

ان عائشۃؓ کانت تقول ان النبیؐ یضطجع لسنۃ ولکنہ کان یدأب من التعب لیقوم للصبح بنشاط (مصنف عبدالرزاق ص۴۳ ج۳ - بذل المجہود ص۲۶۱ ج۱ فتح الباری ص۲۸۹ ج۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ کسی سنت کی وجہ سے نہیں لیٹتے تھے بلکہ وہ تکان سے آرام حاصل کرنے تھے کہ صبح کی نماز نشاط کے ساتھ ادا کرسکیں۔

گویا جو شخص رات تہجد اور نوافل وغیرہ میں گزارے اور صبح صادق ہو جائے تو سنت فجر پڑھ کر اس طرح لیٹ سکتا ہے تاکہ جسم کو کچھ آرام مل جائے اور نماز فجر کے لیے پورا نشاط حاصل رہے لیکن یہ نہیں کہ رات بھر آرام سے خراٹے لیتے رہے اور فجر کے وقت اُٹھے وضو کیا۔ دو رکعت سُنّت پڑھی اور یکایک زمین پر لیٹ گئے کس لیے؟ سُنّت پر عمل کرنے کے لیے۔ حالانکہ سُنّت پر عمل اس وقت ہوگا جب ہم بھی رات اُٹھ کر تہجد وغیرہ پڑھیں اور اسی حال میں صبح صادق کردیں۔ لہذا سُنّت پڑھ کر جماعت کھڑی ہونے سے پہلے بدن کو آرام دینے اور نماز فجر میں چستی اور نشاط پیدا کرنے کے لیے لیٹ جائیں مگر صورت حال یہ ہے کہ محنت والا کام غیر مقلدین سے نہیں ہوتا اور آرام کرنے کے لیے سُنّت کا نام لے کر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یعنی میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو والا معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اسے بدعت کہا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۹ ج۲) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس کے قائل نہیں اور مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اسے ضجعۃ الشیطان (شیطان کی لیٹ) قرار دیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۸)

قعدۂ اخیرہ میں تورک

اس مسئلہ میں بھی خواجہ صاحب نے اس حدیث کا حوالہ تو دے دیا جس میں تورک کا

ذکر ہے مگر وہ احادیث کثیرہ کیوں ذکر نہیں کیں جن میں افتراش (یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جانا اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لینا) کا ذکر ہے۔ اس بارے میں احادیث کافی آئی ہیں مگر یہاں پر صرف تین روایات پیش کی جاتی ہیں۔

عائشۃؓ مرفوعاً وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ وکان ینھیٰ عن عقبۃ الشیطٰن وینھیٰ ان یفترش الرجل ذراعیہ افتراش السبعُ۔

(مسلم ص ۱۹۴-۱۹۵ ج ۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے۔ ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہوتا ہے نیز آنحضرتؐ بائیں پاؤں کو نیچے بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں قعدہ میں کھڑا کرتے تھے۔ اور نیز آپ شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے (سرین پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا یہ شیطان کی بیٹھک ہے) اور نیز آپ منع کرتے تھے کہ کوئی شخص سجدہ میں اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر اس طرح بچھائے جس طرح درندہ جانور پاؤں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔

عن وائل بن حجرؓ قال قدمت المدینۃ قلت لانظرنّ الی صلوٰۃ رسول اللہؐ فلما جلس یعنی للتشھد افترش رجلہ الیسریٰ ووضع یدہ الیسریٰ یعنی علیٰ فخذہ الیسریٰ ونصب رجلہ الیمنیٰ

(ترمذی ص ۳۸ ج ۱)

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تاکہ اللہ کے رسولؐ کی نماز دیکھ سکوں جب آپؐ تشہد کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھایا اور بایاں ہاتھ ران پر رکھا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھا۔

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ھٰذا حدیثا حسنٌ صحیحٌ والعمل علیہ عند اکثر اھل العلم وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک واھل الکوفۃ۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور

یہی قول سفیان ثوری ابن المبارک اور اہلِ کوفہ کا ہے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم انہٗ کان یریٰ عبداللّٰہ بن عمر یتربع فی الصلوٰۃ اذا جلس ففعلتہٗ وانا یومئذٍ حدیث السن فنہانی عبداللّٰہ بن عمر وقال انما سنۃ الصلوٰۃ ان تنصب رجلک الیمنیٰ وتثنی الیسریٰ فقلت انک تفعل ذالک فقال ان رجلای لا تحملانی۔

(بخاری ص۱۱۴ ج۱، موطا امام مالک ص۲۷)

عبدالرحمٰن بن قاسم سے مروی ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو چوکڑی مار کر بیٹھتے دیکھتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں ان دنوں نو عمر تھا میں بھی اسی طرح چوکڑی مار کر بیٹھا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ نماز کی سُنّت یہ ہے جلسے میں تم دائیں پاؤں کو کھڑا کرو اور بائیں پاؤں کو موڑ کر نیچے بچھا دو۔ ابنِ قاسم کہتے ہیں میں نے کہا حضرت پھر آپ کیوں اسطرح بیٹھتے ہیں تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاؤں مجھے اس طرح برداشت نہیں کر سکتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ سُنّت طریقہ تو وہی ہے جس طرح احنافؒ کا عمل ہے۔ یعنی افتراش کرنا، اگر مجبوری کی وجہ سے اس طرح نہ کر سکے تو پھر تورک کر سکتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ کا عمل بتا رہا ہے کیونکہ یہودیوں نے ان کو کسی مقام سے نیچے گرا دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کمزور ہو گئے اور وہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتے تھے اس لیے قعدہ میں چوکڑی مار کر بیٹھتے تھے۔ خواجہ صاحب نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ بھی عُذر پر محمول ہے۔ ناظرین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ خواجہ صاحب کی یہ بات کہاں تک درست ہے جو اُنہوں نے صوفی صاحب کو طعنے کے طور پر لکھی ہے۔ آپ خُود ہی انصاف فرمائیں کہ صحیح بات کون سی ہے اور علمائے دیوبند کس طرح حدیث پر عمل پیرا ہیں۔ خواجہ صاحب نے یہاں پر یہودیوں کی سُنّت کو زندہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ خواجہ صاحب نے بھی اپنے مطلب کی چیز کا

ذکر کر دیا اور جو ان کے خلاف تھی اس کو چھوڑ گئے۔

ع حق اُبھرتا ہی رہا نقشِ بقا بن کے نظیر
مِٹ گیا آپ ہی حق کو مٹانے والا

اوقاتِ نمازِ پنجگانہ

خواجہ صاحب نے یہ سُرخی قائم کر کے آگے اوقاتِ نماز کی بحث کرتے ہیں، اور آخر میں فجر کی نماز کا وقت ذکر کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فجر کی نماز کو اندھیرے میں پڑھنا ہی ثابت ہے! آخر میں صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں مسجد نور (چھپڑ والی) گوجرانوالہ کے خطیب صوفی عبدالحمید سواتی ایک طرف تو ہدایہ صـ۵۲ کے حوالے سے یہ فرماتے ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ فضیلت اسفار میں ہے اور دوسری جانب اپنا مسئلہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ تمام نمازی فجر کے لیے غلس میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر غلس میں پڑھنا افضل ہوگا (نمازِ مسنون صـ۱۸۱) آگے لکھتے ہیں نہ جانے یہ تقلید کی کونسی قسم ہے۔ میرے بھائی یہ گھڑیوں اور لاؤڈ سپیکروں کا دَور ہے اور یہ علمائے کرام کے سوچنے کا مسئلہ ہے کہ وہ کسی نماز کے لیے کونسا وقت مقرر کرتے ہیں وہ جو ٹائم ٹیبل بھی مقرر فرمائیں گے۔ نمازی اس کے مطابق اکٹھے ہو جائیں گے۔ عوام کو غَلَس اور اَسفار کی بحث سے کوئی غرض نہیں ہے (حیّ علی الصلوٰۃ صـ۸۵)

جواب: خواجہ صاحب نے یہاں بھی صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر کے بعد میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نمازِ مسنون کلاں صـ۱۷۹ تا صـ۱۸۰ پر نمازِ فجر کے وقت پر بحث کرتے ہیں۔ نمازِ فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے۔ ہدایہ صـ۴۹ ج۱، شرح وقایہ ج۱ صـ۵۰، کبیری صـ۲۲۶) اس کے بعد دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ بعد میں مسئلہ کی سُرخی قائم کر کے

لکھتے ہیں۔ نمازِ فجر غلس (ابتدائی وقت اندھیرے میں) اور اسفار دونوں وقت جائز ہے البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیادہ فضیلت اسفار میں ہے ہدایہ ص۵۰ ج۱، شرح نقایہ ص۵۴ ج۱۔ امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل نقل کرتے ہوئے حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت پیش کی ہے۔

عن رافع بن خدیجؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسفروا بالفجر فانہٗ اعظم للاجر

حضرت رافع بن خدیجؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا فجر کو خوب اچھی طرح روشن کرکے نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

(ترمذی ص۴۹ ج۱، ابوداؤد ص۶۱ ج۱، نسائی ص۹۴ ج۱، ابن ماجہ ص۴۹)

امام ترمذیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: قال ابو عیسٰی حدیث رافع بن خدیج حسنٌ صحیحٌ۔ امام طحاویؒ کا مذہب یہ ہے کہ صبح کی نماز شروع غلس میں کرے اور ختم اسفار میں۔ طحاوی ص۱۲۳ ج۱ اور یہ بعض جگہوں پر معمول بہا بھی ہے لیکن قرأت کی طوالت کو بعض کمزور ضعیف اور معذور لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔

مسئلہ! صبح کی نماز روشنی میں ایسے وقت پڑھنی چاہیئے کہ قرأتِ مسنونہ ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں اور اگر نماز میں فساد و خرابی ظاہر ہو تو دوبارہ اعادہ طہارت کے ساتھ قرأتِ مسنونہ پڑھی جا سکے۔ (شرح وقایہ ص۱۳۰ ج۱، شرح نقایہ ص۵۴ ج۱)

مسئلہ! تمام نمازی فجر کی نماز کے لیے غلس میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر غلس میں پڑھنا افضل ہوگا جیسا کہ عشاء کی نماز کے بارے میں آنحضرتؐ کا عمل مبارک ثابت ہے۔

(بخاری ص۸۰ ج۱، مسلم ص۲۳۰ ج۱)

ناظرینِ کرام! ہم نے حضرت صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ خواجہ صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ جب امام اعظمؒ کے نزدیک اسفار میں پڑھنا افضل ہے تو پھر غلس میں کیسے افضل ہوگا۔ صوفی صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ نمازی اگر غلس میں اکٹھے ہو جائیں تو غلس

میں پڑھ لے۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ نمازی تو اسی ٹائم پر جمع ہوں گے جو ٹائم مقرر ہوگا۔ خواجہ صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلے میں لوگوں کے جلدی آنے کو دخل ہے کیونکہ رسول ؐ بھی ایسا ہی کر لیتے تھے کہ جب لوگ جلدی آ گئے تو آپ ؐ مقررہ وقت سے پہلے نماز جلدی پڑھا دیتے تھے۔ اور صوفی صاحب نے اس کے ثبوت میں بخاری شریف اور مسلم شریف کا حوالہ دیا ہے مگر پوری حدیث ذکر نہیں کی، یہاں پر ہم پوری حدیث ذکر کرتے ہیں۔

حسن بن علی ابن ابی طالب قال سألنا جابر بن عبداللہ عن صلوٰۃ النبیؐ فقال کان النبیؐ یصلی الظھر بالھاجرۃ والعصر والشمس حیۃ والمغرب اذا وجبت والعشا اذا کثر الناس عجّل واذا اقلّوا اخّروا والصبح بغلس

(بخاری ص ۸۰ ج ۱، مسلم ص ۲۳۰ ج ۱)

حسن بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے آنحضرت ؐ کی نماز کا وقت پوچھا۔ جابر نے کہا آنحضرت ؐ ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھا کرتے اور عصر کی جب سورج تیز چمکتا رہتا اور مغرب کی جب سورج ڈوبتا اور اگر لوگ بہت جمع ہو جاتے تو آپ ؐ عشا کی نماز جلد پڑھ لیتے۔ اگر لوگ بہت جمع ہو جاتے تو آپ عشا کی نماز جلد پڑھ لیتے۔ اگر لوگ تھوڑے ہوتے تو دیر کرتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے۔

بخاری اور مسلم کی اس روایت سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگر لوگ جلدی جمع ہو جائیں تو نماز جلدی پڑھ لینی چاہیئے۔ اس حدیث میں عشا کی نماز کا ذکر ہے۔ صوفی صاحب نے اس روایت پر فجر کی نماز کو قیاس کیا ہے کہ اگر فجر کے وقت لوگ غلس میں اکٹھے ہو جائیں جیسا کہ رمضان المبارک میں سحری کے لیے لوگ اُٹھتے ہیں اور نماز کے لیے آنے میں آسانی ہوتی ہے تو اسفار کی بجائے غلس میں پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول ؐ نے عشا کی نماز میں کیا۔ اس کے بارے میں ایک حدیث اور پیش کی جاتی ہے جس میں صراحتاً فجر کی نماز کا ذکر موجود ہے

عن معاذ بن جبلؓ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن فقال لی یا معاذ اذا کانت الشتاء فغلس بالفجر واطل القراۃ علی قدر ما یطیق الناس ولا تملھم وصل الظھر اذا زالت الشمس وصل العصر والشمس بیضاء نقیۃ وصل المغرب اذا غابت الشمس وتوارت بالحجاب وصل العشاء واعتم بھا فان اللیل طویل فاذا کانت الصیف فاسفر بالفجر فان اللیل قصیر والناس ینامون فاسفر لھو حتی یدرکوھا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۴۹)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسولؐ نے یمن کی طرف بھیجا تو حضورؐ نے مجھے کہا اے معاذ جب سردیوں کا موسم ہو تو فجر کو اندھیرے میں پڑھ اور قراءت لمبی کر اتنے اندازے کی کہ جتنی لوگ طاقت رکھیں اور انکو دلگیر نہ کر اور نماز پڑھا ظہر کی جب سورج کو زوال لگ جائے اور نماز پڑھا عصر کی جبکہ سورج صاف سفید ہو اور نماز پڑھا مغرب کی جبکہ سورج غروب ہو جائے اور پردے کے پیچھے لوٹ جائے اور نماز پڑھا عشا کی جبکہ تاریکی چھا جائے کیونکہ رات لمبی ہوتی ہے اور جب گرمیوں کا موسم ہو تو فجر کی نماز سفید کر کے پڑھ کیونکہ رات چھوٹی ہوتی ہے اور لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں پس ان کیلئے سفید کر کے پڑھ تاکہ وہ نماز کو پالیں۔

اس روایت میں فجر کی نماز کا صاف ذکر موجود ہے کہ سردی کے زمانے میں لوگوں کی رعایت رکھتے ہوئے حضورؐ نے معاذ بن جبلؓ کو فرمایا کہ جلدی پڑھا کرو اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ راتیں لمبی ہوتی ہیں اور گرمی کے موسم میں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور لوگ نیند اپنی پوری نہیں کر سکتے اس لیے دیر سے پڑھنے کا حکم فرمایا۔

ان دونوں حدیثوں سے صوفی صاحب کی بات کی تائید ہو رہی ہے مگر خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں حالانکہ حضورؐ لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے معاذ بن جبلؓ کو حکم فرما رہے ہیں اور خود اپنا عمل بھی حضورؐ کا یہی ہے۔ حنفی رمضان میں فجر کی نماز اسی لیے جلدی پڑھتے ہیں کہ لوگ آسانی سے نماز کے لیے جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ سحری کھانے کے لیے پہلے ہی بیدار ہوتے ہیں۔ نیز خواجہ صاحب لکھتے ہیں نہ جانے یہ

تقلید کی کونسی قسم ہے۔ خواجہ صاحب کو علم ہونا چاہیئے کہ یہ تقلید کی وہ قسم ہے جس تقلید کا حکم قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ اور اجماع اُمّت سے ثابت ہے اور آپ جو شوکانی وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں وہ بتائیں کہ تقلید کی کونسی قسم ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی کتاب میں شوکانی کے بے شمار حوالے بغیر تحقیق کے درج کیے ہیں۔

ہُوا ہے مُدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خُود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

مدرک رکوع

خواجہ صاحب نے یہ بحث حی علی الصلوٰۃ کے ص۱۰۱ سے شروع کی ہے ص۱۰۴ پر ختم کی ہے۔ خواجہ صاحب نے جو بات ذکر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں ملتا ہے اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی اور وہ رکعت اسے دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ امام کو جس حالت میں بھی پائے اس حالت میں ہی مل جانا چاہیئے۔ حنفی جو پہلے قیام کرتے ہیں اس کے بعد امام کے ساتھ شامل ہوتے ہیں یہ بات درست نہیں۔ اپنی اس بات کی تائید صوفی صاحب سے کروانا چاہتے ہیں۔ صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔ خود غیر اہلحدیث حنفی عالم صوفی عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں :

امام جس حالت میں ہو مقتدی جب آئے تو اسی حالت میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ (نماز مسنون ص۴۶۳، (حی علی الصلوٰۃ ص۱۰۳)

جواب : ناظرین کرام ! خواجہ صاحب جب تک خیانت سے کام نہ لیں اس وقت تک ان کی گاڑی نہیں چلتی۔ یہاں پر بھی حضرت صوفی صاحب کی ایک بات کا ذکر کر دیا بقایا ساری عبارت اپنی موروثی روش کے مطابق ہڑپ کر گئے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نماز مسنون ص ۲۶۳ پر لکھتے ہیں۔

مسئلہ: امام جس حالت میں ہو مقتدی جب آئے تو اسی حالت میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اگر امام سجدے کی حالت میں ہو تو اس میں شریک ہو جائے اور اس رکعت کو شمار نہ کرے جیسا کہ حضرت علیؓ عبداللہ بن عمرؓ زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابراہیم نخعیؒ قتادہؒ وغیرہم سے منقول ہے۔ مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۱/۲ و ص ۲۵۲/۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۴/۱)

مسئلہ: اگر امام کے ساتھ رکوع میں آکر مل جائے تو اس نے رکعت کو پالیا۔ (ہدایہ ص ۱۰۲/۱) یہ مسئلہ لکھ کر آگے اس کے دلائل ذکر کیے ہیں:

عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ قال من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (مسلم ص ۲۲۱/۱۔ مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۱/۲)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے رکوع کو پالیا، اس نے نماز کو پالیا۔

عن ابن عمرؓ قال اذا ادرکت الامام راکعاً فرکعت قبل ان یرفع فقد ادرکت وان رفع قبل ان ترکع فاتتک۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۹/۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴۳/۱

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پاؤ اور تم نے امام کے سر اٹھانے سے پہلے امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کی تو تم نے اس رکعت کو پالیا۔ اور اگر امام سر اٹھالے تمہارے رکوع سے پہلے تو تم سے وہ رکعت فوت ہو گئی۔

عن زید بن وھب قال دخلت انا وابن مسعودؓ المسجد والامام راکع فرکعنا ثم مضینا حتی استوینا فی الصف

حضرت زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں داخل ہوئے اور امام رکوع کی حالت میں تھا تو ہم نے بھی جلدی سے وہاں ہی

فلما فرغ الامام قمت اصلی فقال قد ادرکته۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۸۳ ج۲)

رکوع کرلیا پھر چل کر برابر صف میں کھڑے ہوئے جب امام فارغ ہوا تو میں کھڑا ہوگیا۔ اس رکعت کو پڑھنے کیلئے تو انہوں نے کہا (عبداللہ بن مسعودؓ) کہ تم نے یہ رکعت پالی ہے۔

ناظرین کرام ہم نے حضرت صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کردی ہے۔ آپ خود ہی انصاف فرمائیں کہ بات کیا تھی اور خواجہ صاحب نے کیا بنا ڈالی۔ خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کی ایک بات تو نوٹ کرلی جو اپنے مقصد کی تھی اور اس کے آگے والی ساری عبارت ہضم کر گئے کیونکہ وہ خواجہ صاحب کے مطلب کی نہیں تھی۔ غیر مقلدین اور احنافؒ میں یہ اختلاف ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت شمار ہوگی یا نہیں۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ شمار نہیں ہوگی جیسا کہ خواجہ صاحب نے بھی حی علی الصلوٰۃ کے ص۱۰۱ سے ص۱۰۲ پر ذکر کیا ہے اور اس کے برخلاف احنافؒ کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں ملنے سے وہ رکعت شمار کی جائے گی اور اسے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ میں نہ تو کوئی قرآن کی آیت ہے اور نہ ہی کوئی صحیح حدیث ایسی ہے جس سے وہ یہ بات ثابت کرسکیں۔ خواجہ صاحب نے بھی اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی۔ جبکہ احنافؒ کے پاس بے شمار دلائل موجود ہیں جیسا کہ تین حوالے حضرت صوفی صاحب کی کتاب سے نقل کیے جاچکے ہیں۔ احناف تو احناف غیر مقلدین بھی اس مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں جیسا کہ خواجہ صاحب نے خود ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں حیرت اُن لوگوں پر ہے جو صحیح احادیث کی وجہ سے فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں اور پھر رکوع کی رکعت کے قائل ہوگئے ہیں (حی علی الصلوٰۃ ص۱۰۲) ہم یہاں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے غیر مقلدین کے اپنے ہی گھر کی بات ذکر کرتے ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محی الدین اپنی کتاب البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین ص۲۰۵ سے ص۲۰۹ تک یہ بحث کرتے ہیں ______ لکھتے ہیں۔ رکوع میں

بیں امام کے ساتھ مقتدی کے ملنے سے اس رکعت کے شمار ہونے کے بیان میں

عنؓ ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	روایت ہے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تحقیق
انہ انتہیٰ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	وہ پہنچا طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حال میں
وھو راکعٌ فرکع قبل ان یصل الی الصف	کہ حضرتؐ رکوع میں تھے۔ پس رکوع کیا اس نے
فذکر ذٰلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم	پہلے اس کے کہ پہنچے صف کو (یعنی حضرتؐ اور صحابہ
فقال زادک اللہ حرصاً ولا تعد	کو حالتِ رکوع میں دیکھ کر صف کے پیچھے رکوع
رواہ البخاریؒ وزاد ابوداؤد فرکع	میں اکیلا چلا گیا) پس ذکر کیا گیا۔ اس فعل کا واسطے
دون الصف ثم مشیٰ الی الصف	نبیؐ کے پس فرمایا حضرتؐ نے زیادہ کرے اللہ تعالیٰ تجھ کو

حرص (نیکی کی) اور مت کر روایت کیا اس کو بخاری نے اور زیادہ کیا۔ ابوداؤد نے پس رکوع کیا سوائے صف کے پھر چلے گئے طرف صف کی۔

فائدہ محلّی شرح موطا امام مالک میں لکھا ہے: من ادرک رکعۃً فقد ادرک سجدۃً یعنی جس شخص نے پایا رکوع ساتھ امام کے پس تحقیق پائی۔ اس نے رکعت کامل اگرچہ فوت ہوا اس سے قیام اور قرأت اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا اور دلیل اُن کی قول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے (کہ فرمایا حضرتؐ نے) واسطے ابی بکرہ کے جس وقت کہ رکوع کیا۔ ابی بکرہؓ نے سوائے صف کے زیادہ کرے۔ تجھ کو اللہ حرص (نیکی کی) اور مت کر اور نہیں حکم کیا اس کو حضرتؐ نے واسطے دُہرانے اس رکعت کے اور کہا بعضوں نے جو شخص کہ پاوے رکوع نہ حساب میں ہوگی واسطے اس کے وہ رکعت اس لیے کہ تحقیق فوت ہوا اُس سے قیام اور قرأت اور دلیل پکڑتے ہیں۔ ساتھ قول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وما فاتکم فاتموا کے اور یہی قول ہے ابوہریرہؓ اور ایک جماعت کا اور اختیار کیا ہی

لہ یہ حدیث بخاری چھاپہ احمدی میرٹھ کے صفحہ ۱۰۸ میں اور ابوداؤد جو کہ ۱۲۷۲ھ میں دہلی میں چھاپا گیا۔ اُس کے صفحہ ۹۸ میں ہے

اس کو ابن خزیمہ وغیرہ نے اور قوی کیا ہے۔ اس کو سُبکی نے بلکہ حکایت کیا ہے۔ اِس کو بخاری نے ہر اُس شخص کی طرف سے کہ گیا ہے طرف واجب ہونے قرأت کے اُوپر مقتدی کے انتہی (پھر کہا محلی میں) اور نقل کیا ہے بعض اُن کے نے کہ تحقیق (جو لوگ کہ تھے بعد صحابہ کے) اجماع کیا ہے (اُنھوں نے) بعد صحابہ کے اُوپر پانے رکعت کے ساتھ پانے رکوع کے اور جائز ہے۔ منعقد ہونا اجماع کا اُوپر ایک قول کے دو قولوں میں سے واسطے اُن کے کہ پہلے اُن کے تھے اسی طرح لکھا ہے فتح الباری میں انتہی اِس سے معلوم ہوا کہ ترجیح اِس بات کو ہے۔ کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے رکعت پائی جاتی ہے اور یہ جو بعضے لوگ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے ابی بکرہؓ کو اگر اُس رکعت کے دُہرانے کا حکم نہیں فرمایا تو یہ بھی اُس کو نہیں فرمایا کہ تیری یہ رکعت ادا ہو گئی تو اس کا جواب تین طرح پر ہے:

اوّل: یہ کہ جس حالت میں کہ نزدیک حضرتؐ کے ابی بکرہؓ کی وہ رکعت کامل اور ادا ہو گئی تو پھر کیا ضرورت تھی کہ ابی بکرہؓ کو فرمانے کہ تیری نماز ادا ہوئی ہاں اگر اُس کی وہ رکعت ادا نہ ہوتی تو بیشک اُس کو اُس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا ارشاد فرماتے جیسا کہ بُخاری مسلم کے حدیث میں ابوہریرہؓ کی روایت سے اِس کتاب میں صفت نماز کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے کہ کہ ایک شخص رکوع سجود اور قومہ جلسہ اچھی طرح سے نہیں کرتا تھا اُس کو حضرتؐ نے تین بار پھر پھر کر نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور نیز احمد اور ابوداؤد اور ترمذی میں روایت ہے وابصہ ابن معبد سے کہ حضرتؐ نے دیکھا ایک مرد کو نماز پڑھتا تھا پیچھے صف کے اکیلا پس حکم کیا اُس کو کہ پھر پڑھے نماز پس ان دونوں حدیثوں نے دلالت کی اِس بات پر کہ عادت شریف حضرتؐ کی یہی تھی کہ جس کی نماز کامل اور ادا نہ دیکھتے اُس کو اُس کے دُہرانے کا حکم فرماتے اور جس کی نماز کامل اور ادا جانتے اس کو کچھ نہ کہتے۔

دوم: بحالتِ رکوع صف میں آ داخل ہونا حالانکہ مبطل نماز بھی نہ تھا مگر بسبب اچھی نہ ہونے اِس فعل کے ابی بکرہؓ کو حضرتؐ نے فرمایا: زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ

یعنی زیادہ کرے اللہ تجھ کو حرص (نیکی کی) اور پھر مت کر اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس کی وہ رکعت شمار میں نہ ہوتی تو اس کو اس رکعت کے دہرانے کا بھی اسی وقت ارشاد فرماتے۔ سوم : ابی بکرہؓ کی اگر وہ رکعت شمار میں نہ ہوتی تو اس کو کیا ضرورت تھی کہ اپنے پر اس قدر تکلیف اٹھاتا یعنی بحالت رکوع جھکے جھکے صف میں جا داخل ہوتا۔ انتہی اب سنئے وہ حدیثیں اور آثار جو کہ صریح اور صاف صاف دلیل ہیں۔ اس بات پر کہ رکوع میں امام کے ساتھ مل جانے سے وہ رکعت کامل اور ادا ہو جاتی ہے :

وعن ابی ھریرۃؓ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلٰوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہ شیئا ومن ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلٰوۃ رواہ ابو داؤد

اور روایت ہے ابی ہریرہؓ سے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کہ آؤ تم طرف نماز کی اور ہم سجدہ میں ہوں پس سجدہ کرو اور نہ حساب میں رکھو اس کو کچھ اور جس نے پایا رکوع یعنی ساتھ امام کے پس تحقیق پائی اس نے رکعت

فائدہ : مجمع البحار میں لکھا ہے : ومن ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلٰوۃ یعنی جس شخص نے پایا رکوع پس تحقیق پائی اس نے رکعت۔

وعنہ مرفوعا بلفظ من ادرک رکعۃ من الصلٰوۃ قبل ان یقیم الامام صلبہ فقد ادرکھا رواہ ابن خزیمۃ

اور روایت ہے انہیں سے مرفوعا ساتھ اس عبارت کے جو شخص کہ پاوے رکوع نماز سے پہلے اٹھانے امام کے پیٹھ اپنی کو پس تحقیق پایا اس شخص نے اس رکعت کو

قال ابن حجر وروی ابن حبان وصححہ بلفظ من ادرک رکعۃ من الصلٰوۃ قبل ان یقیم الامام صلبہ فقد ادرکھا۔

کہا ابن حجر نے اور روایت کی ابن حبان نے اور صحیح کہا اس کو ساتھ اس عبارت کے کہ جو شخص پاوے رکوع نماز سے پہلے اس کے کہ اٹھاوے امام پیٹھ اپنی کو پس تحقیق پایا اس نے اسکو یعنی اس رکعت کو۔

فائدہ ایک حدیث تو بخاری اور داؤد کی ابی بکرہؓ کی روایہ ہے جو کہ قریب گزری اور تینوں یہ حدیثیں

صریح دلیل ہیں اس پر کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے وہ رکعت ادا ہو جاتی ہے اور
یہی مذہب ہے جمہور علماء کا اور کہا امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہ تحقیق پڑھنا سورہ فاتحہ
کا ساقط ہوتا ہے مسبوق سے جس وقت کہ پاوے امام کو رکوع کرنے والا اور مسک الختام شرح
بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ کہا (شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے) مصفٰے میں کہ بغوی نے کہا ہے کہ
جس نے پائے ساتھ امام کے ایک رکعت اور داخل نہ ہوا نماز میں مگر بعد اُس کے کہ
سر اُٹھایا امام نے رکوع سے رکعت دوسری میں سے پس فوت ہوا اُس سے جمعہ اور چاہیے
پڑھے اُس نماز کو چار رکعت اس لیے کہ وہ اُس کے نمازِ ظہر کی ہے اور یہی مذہب ہے۔
امام مالکؒ اور امام ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا انتہیٰ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام کے
ساتھ رکوع میں مل جانے سے وہ رکعت کامل ادا ہے اور جو لوگ کہ قائل اس کے نہیں
دلیل اُن کی یہ دو حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: بخاری مسلم میں روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا فرمایا:
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کہ تکبیر کہی جاوے واسطے نماز کے پس نہ آؤ تم
نماز کو دوڑتے اور آؤ تم چلتے اور لازم ہے تمہیں آنا وقار سے پس جو پاؤ ساتھ امام کے
پس ادا کرو اور جو نہ پاؤ ساتھ امام کے پس پورا کرو یعنی بعد فراغ امام کے اُٹھ کر ادا کرو سو

جواب: اِس کا تین طرح پر ہے:

اوّل: یہ کہ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں پایا جاتا کہ امام کے ساتھ رکوع میں
ملنے سے وہ رکعت ادا نہیں ہوتی۔

دوم: یہ حدیث ایک تو ابی بکرہؓ کی حدیث کے جو کہ قریب گزری اور تینوں ان
حدیثوں صریح کے مخالف ہے۔

سوم: بسبب نہ ہونے دلیل کے بعد صحابہ کے اُوپر پانے رکعت کے ساتھ پانے
رکوع کے اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ محلی کی عبارت میں قریب گزرا۔

دوسری حدیث لایا ہے بخاری بیچ جزو قرآت خلف امام کے حدیث ابوہریرہؓ سے کہ تحقیق اُس نے کہا اگر پاوے تو قوم کو رکوع کرنے والی نہ شمار کر تو ساتھ اِس رکعت کے سو۔

جواب: اِس کا بھی تین طرح پر ہے:

اوّل: یہ کہ یہ موقوف ہے چنانچہ کہا: حافظ ابن حجر نے اور یہ مشہور ہے ابوہریرہؓ سے موقوف اور اس پر مرفوع پس نہیں ہے اصل واسطے اِس کے اور حدیث موقوف لائق حجت پکڑنے کے نہیں ہوتے۔

دوم: ثابت ہوا ہے اسے ابوہریرہؓ سے خلاف اِس کا جیسا کہ پہلے دونوں حدیثوں میں ابھی گزرا اور آگے بھی آوے گا۔

سوم: معارض میں اِس کے یہ آثار جو کہ اب آتے ہیں۔

وعن ابی ھریرۃؓ رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال کان یقول من ادرک الرکعة فقد ادرک السّجدة ومن فاتته قراۃ اُمّ القراٰن فقد فاته خیرٌ کثیرٌ رواهُ مالکؒ

اور روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ تحقیق وہ تھے کہتے کہ جس شخص نے پایا رکوع پس تحقیق پائی اُس نے رکعت اور جسکی رہ گئی پڑھنی سورۂ فاتحہ پس تحقیق رہ گیا اُس سے ثواب بہت روایت کیا اِس حدیث کو امام مالک نے۔

وعن عبد اللّٰه بن عمرؓ وزید بن ثابتٍ کان یقولان من ادرك ركعةً فقد ادرک السجدة رواه مالك

اور روایت ہے عبداللہ بن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ سے کہ تھے وہ دونوں کہتے کہ جس شخص نے پایا رکوع پس تحقیق پائی اُس نے رکعت۔

فائدہ مجمع البحار میں لکھا ہے: ومن ادرک الرکعة فقد ادرک السجدة یعنی جس شخص نے پایا رکوع پس تحقیق پائی اُس نے رکعت اور لایا ہے بیہقی سنن کبریٰ میں عبداللہؓ ابن مسعود سے جو شخص کہ نہ پاوے امام کو رکوع کرنے والا نہ پاوے گا اُس رکعت کو اور لایا ہے بیہقی سُنن کبریٰ میں ابی الاحوص اور ہبیرہ سے اُنہوں نے نقل کی عبداللہ سے کہ کہا عبداللہ نے

جو شخص نہ پاوے رکوع کو پس نہ شمار کرے ساتھ رکعت کے اور لایا ہے بیہقی سنن کبریٰ میں
ابن عمرؓ سے کہ تحقیق وہ تھے کہتے جو شخص کہ پاوے امام کو رکوع کرنے والا پس رکوع کرے
پہلے اس کے کہ اُٹھادے امام سر اپنا رکوع سے پس تحقیق پایا اُس نے اس رکعت کو اور لایا
ہے بیہقی سنن کبریٰ میں عبدالرحمان بن حارث بن ہشام سے کہ تحقیق ابوبکر صدیق اور زید بن
ثابتؓ داخل ہوئے مسجد میں حالانکہ امام رکوع کرنے والا تھا پس رکوع کیا اُن دونوں نے پھر
آہستہ چلے اور وہ دونوں رکوع کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ ملی صف میں اور لایا ہے بیہقی
سنن کبریٰ میں زید بن وہب سے کہا نکلا۔ میں ساتھ عبداللہ یعنی ابن مسعود کے گھر اپنے سے
طرف مسجد کے پس جس وقت کہ آئے ہم مسجد میں رکوع کیا۔ امام نے پس تکبیر کہی۔ عبداللہ نے
اور رکوع کیا اور رکوع کیا۔ میں نے ساتھ اُس کے پھر چلے ہم رکوع کرنے والے یہاں تک کہ پہنچے
ہم طرف صف کی جس وقت کہ اُٹھائے قوم نے سر اپنے پس جس وقت کہ ادا کی امام نے نماز
کھڑا ہوا میں (یعنی واسطے پڑھنے اُس رکعت کے) اور میں گمان کرتا تھا کہ تحقیق نہیں پایا میں نے
(رکوع) پس پکڑا عبداللہ نے میرے ہاتھ کو پس بٹھلایا مجھ کو پھر کہا تحقیق تو نے تحقیق پایا ہے
تو نے (رکوع) اور روایت کیے گئے ہم بیچ اس کے عبداللہ بن الزبیر سے یعنی مثل اس کے
فائدہ کہا بیہقی نے سنن کبریٰ میں کہ بیچ اس کے دلیل ہے اوپر پانے رکعت کے اور اگر نہ ہوتی
یہ بات البتہ نہ تکلیف کرتے وہ اُس کی یعنی اگر امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے وہ رکعت
شمار میں نہ ہوتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بحالتِ رکوع جھکے جھکے صف میں نہ جاملا کرے

مسافتِ سفر

یہ سرخی قائم کرکے خواجہ صاحب نے آگے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ سفر کتنی مسافت پر
بنتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے کافی بحث و مباحثہ کے بعد اپنا فیصلہ دیا ہے۔ لکھتے ہیں
حدیث کی رُو سے محتاط مسلکِ اہلحدیث کا ہے یعنی حضرت انسؓ والی حدیث جس سے نو میل

کی مسافت پر قصر کا ثبوت ملتا ہے۔ احنافؒ کے دلائل کا ذکر بھی کیا ہے کہ احناف جو اڑتالیس میل مسافت مانتے ہیں۔ کسی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔ صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ صوفی عبدالحمید صاحب نے اڑتالیس میل کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے، عورت سفر نہ کرے۔ تین دن کی مسافت بغیر محرم یا خاوند کے (بخاری ص۱۴۷ مسلم ص۴۳۳) (نماز مسنون ص۶۰۷)

اس کے بعد اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بھلا کوئی پوچھے کہ محرم کا قصر سے کیا تعلق اگر یہی اصول بنا لیا جائے کہ جتنے سفر پر محرم ضروری ہے اتنے سفر پر ہی قصر کی اجازت ہے تو بخاری شریف ہی میں اس سے اگلے صفحے پر حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث ہے کہ مومن عورت ایک دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم نہیں کر سکتی۔ فرمایئے اب کیا پروگرام ہے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۱۲۹)

جواب: یہاں پر بھی خواجہ صاحب نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک بات کا ذکر کر دیا اور بقایا کو چھوڑ دیا۔ ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری عبارت ذکر کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نے نماز مسنون کلاں ص۶۰۷ پر یہ سرخی قائم کی ہے:

شرعی سفر کی مسافت

آگے لکھتے ہیں سفر کی مسافت کے بارے میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے صحیح احادیث میں تین دن تین رات کی مسافت کو خاص مؤثر قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے عورت سفر نہ کرے۔ تین دن کی مسافت بغیر محرم یا خاوند کے (بخاری ص۱۴۷ ج۱، مسلم ص۴۳۳ ج۱) اس مسافت کے تعین میں ائمہ کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں۔ یہ چھتیس ۳۶ میل ہے یا چھیالیس ۴۶ میل یا اڑتالیس ۴۸ میل یا ساٹھ ۶۰ میل۔ علماء احنافؒ عام طور پر اڑتالیس میل پر عمل کرتے ہیں اور اسی کو سفر شرعی قرار دیتے ہیں جس کے ساتھ احکام بدل جاتے ہیں۔ ناظرین کرام! ہم نے صوفی صاحب کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے۔ صوفی صاحب کی اس

عبارت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شرعی سفر تین دن کی مسافت ہے اور اس پر دلیل بخاری و مسلم سے بیش بھی کر دی ہے۔ خواجہ صاحب کا یہ کہنا کہ بھلا کوئی پوچھے محرم کا سفر سے کیا تعلق تو عرض یہ ہے کہ یہاں پر بات محرم یا غیر محرم کی نہیں۔ یہاں پر صوفی صاحب اس حدیث سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ شرعی سفر تین دن کی مسافت ہے اگر یہ شرعی سفر نہ ہوتا تو محرم اور غیر محرم کی قید نہ لگائی جاتی۔ جب اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ شرعی سفر ہے تو اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ میل کتنے بنتے ہیں۔ احناف کا کہنا ہے کہ یہ فاصلہ اڑتالیس میل بن جاتا ہے۔ (۴۸ میل کی بات آگے آرہی ہے) خواجہ صاحب آگے لکھتے ہیں کہ اگر یہی اصول بنایا جائے کہ جس سفر میں عورت بغیر محرم کے سفر نہیں کر سکتی تو ایک دن کا ذکر بھی حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث ہے کہ مومن عورت ایک دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ فرمائیے اب کیا پروگرام ہے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص ۱۲۶)

جواب: خواجہ صاحب اصولِ حدیث کا یہ ضابطہ ہے کہ جب دو احادیث آپس میں متعارض ہوں تو اس روایت کو ترجیح ہوتی ہے جس کی دوسری روایات سے بھی تائید ہو سکے۔ ہم تین دن مسافتِ سفر میں ایک دو حوالہ ذکر کرتے ہیں:

عن النبیؐ قال المسح علی الخفین للمسافر ثلثة ایام وللمقیم یوم ولیلة	حضورؐ نے فرمایا: مسافر کیلئے موزوں پر مسح تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے۔

(ابوداؤد ص ۲۱ ج ۱، مسلم ص ۱۳۵ ج ۱)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مسافت سفر اصل میں تین دن ہے۔ اس کی وجہ سے ترجیح تین دن والی روایت کو ہی دی جائے گی کیونکہ عدد میں زیادتی کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور خواجہ صاحب کا خود اپنا عمل بھی اسی بات پر ہے۔ کیونکہ خواجہ صاحب نو میل والی روایت کو اختیار کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں تین میل کا ذکر بھی موجود ہے۔ تین میل والی روایت خواجہ صاحب نے بھی حی علی الصلوٰۃ ص ۱۲۷ پر نقل کی ہے۔ مگر نو والی کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اس میں

عدد کی زیادتی ہے۔ اسی طرح ان روایات میں بھی تطبیق دی جائے گی جن میں ایک دن اور تین دن سفر کا ذکر ہے:

عن علی بن ربیعة الوالبی الوالبیة بطن من بنی اسد بن خزیمة قال سألت عبد اللّٰہ بن عمرؓ الی کم تقصر الصلوٰة فقال اتعرف السویداء قال قلت لا ولکنی قد سمعت بہا قال ہی ثلث لیال قواصد فاذا خرجنا الیہا قصرنا الصلوٰة (کتاب الآثار للامام محمد ص۳۹)

علی بن ربیعہ والبی سے روایت ہے (والبیہ بنی اسد بن خزیمہ قبیلہ کی ایک شاخ ہے) انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نمازِ قصر کی جاتی ہے تو انہوں نے فرمایا کیا تو سویدا مقام کو جانتا ہے میں نے کہا کہ نہیں لیکن میں نے اسکے بارے میں سُن رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ درمیانہ رفتار سے تین راتوں کی مسافت ہے تو جب ہم اس تک جاتے تو نمازِ قصر سے پڑھتے تھے۔

تین دن مسافت سفر کے بارے میں بہت سے آثار بھی ملتے ہیں جیسا کہ علامہ بنوری معارف السنن میں لکھتے ہیں: والی ثلثة ایام ذہب عثمان بن عفان وابن مسعود وسوید بن غفلة وحذیفة بن الیمان والشعبی والنخعیؒ وسعید بن جبیر ومحمد بن سیرین وابو قلابة والثوری وابن حی وشریك بن عبد اللّٰہ وہو روایة عن عبد اللّٰہ بن عمرؓ (کذا فی المعارف السنن ص۴۷۳ ج۴) (نقلاً عن العمدة)

یہاں تک تو صرف تین دن کی بحث تھی کہ شرعی سفر تین دن ہوتا ہے۔ اب اڑتالیس میل کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

دلیل ۱: عن نافع عن سالم ان ابن عمرؓ خرج الی ارض لہ بذات النصب فقصر وہی ستة عشر فرسخا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۵ ج۲)

حضرت نافع حضرت سالم سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت ابن عمرؓ ذات نصب (جگہ کا نام ہے) میں اپنی زمین پر گئے تو انہوں نے نماز قصر پڑھی اور وہ سولہ فرسخ کی مسافت پر ہے۔ (ایک فرسخ تین میل کی

مسافت ہوتا ہے (فیروز اللغات فارسی ص۸۸۸)

دلیل ۲: علامہ وحید الزمان غیر مقلد تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج۱ ص۶۵۲ پر ایک روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور ابن عمرؓ و ابن عباسؓ چار برید کے سفر میں قصر اور افطار کرتے، چار برید کے سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہوتے ہیں۔

دلیل ۳: فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص۶۶۱ تا ج۱ ص۶۶۲ میں مولانا ثناء اللہ سے مسافت سفر کے بارے میں ایک سوال کیا گیا وہ سوال اور اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: زید کو اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں کو جو دس میل کے فاصلے پر ہے۔ مہینے میں دو چار مرتبہ اپنی ضروریات کے لیے صبح کو جا کر شام کو آنا پڑتا ہے یا بعض اوقات اسی گاؤں میں ٹھہر جانا پڑتا ہے تو کیا زید اس گاؤں پہنچ کر نماز قصر کر سکتا ہے۔ یا جمع پڑھ سکتا ہے اس خیال سے کہ وہ مسافر ہے کتنے میل سفر کا ارادہ ہو تو نماز قصر اور کن صورتوں میں نماز جمع پڑھ سکتے ہیں (اس سوال کے جواب میں مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں)

جواب: بنیت نیک کر سکتا ہے۔ محض کھیل تماشے کے لیے نہیں قصر فرض واجب نہیں ——— حسب ضرورت ہے۔ سفر کی تعیین نہیں آئی عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہتے ہیں وہی سفر ہے (اہلحدیث ۵ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ) مولانا ثناء اللہ کے اس جواب کا رد کرتے ہوئے مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

شرفیہ: صحیح بخاری میں ہے باب فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمی النبی السفر یوما ولیلۃ وکان ابن عمرؓ وابن عباس یقصران فی اربعۃ بردًا وھو ستۃ عشر فرسخًا۔ (انتھی ج۱ ص۱۴۷) اور ایک دن رات کا سفر سولہ فرسخ ہو سکتا ہے اور عبداللہ بن عباسؓ کے عمل کے علاوہ قول بھی ان کا ہے ... ... خلاصہ یہ ہے مسافت قصر اڑتالیس میل ہی صحیح ہے نو میل غلط ہے۔ ھذا واللہ اعلم ... ... قال النووی قال الجمھور لا یجوز القصر الا فی سفر یبلغ مرحلتین (انتھی ص۲۴۲) یعنی جمہور سلف و محدثین کا ... ... مسلک اڑتالیس میل

کے سفر پر قصر ہے اس سے کم پر نہیں (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

ناظرین کرام! ہم نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تین دن کی جو شرعی مسافت ہے وہ تقریباً اڑتالیس میل بن جاتی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صراحتاً یہ بات ثابت ہے اور علامہ وحید الزمان نے بھی اڑتالیس میل ذکر کیا ہے۔ اور مولانا شرف الدین دہلوی صاحب نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ اڑتالیس میل صحیح ہے اور جمہور کا مسلک ہے جبکہ نو میل والی بات غلط ہے خواجہ صاحب کی نادانی ملاحظہ فرمائیں ایک طرف تو خواجہ صاحب یہ لکھتے ہیں کتنی دور تک کا سفر ہو کر نماز قصر جائز ہو جاتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں آنحضرتؐ سے کوئی چیز منقول نہیں (حی علی الصلوٰۃ ص۱۲۷)

دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ حدیث کی رو سے محتاط مسلک اہلحدیث کا ہے۔ یعنی حضرت انسؓ والی حدیث جس سے نو میل کی مسافت پر قصر کا ثبوت ملتا ہے (حی علی الصلوٰۃ ص۱۲۹)

نہ جانے خواجہ صاحب یہ بات لکھتے ہوئے سو رہے تھے۔ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ میں پہلے ص۱۲۷ پر کیا لکھ رہا ہوں اور آگے ص۱۲۹ پر کیا لکھ دیا ہے مگر پھر بھی اعتراض حنفیوں پر ہی کر رہے ہیں حالانکہ احنافؒ کے پاس حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث موجود ہے جس میں سولہ فرسخ کی صراحت موجود ہے جو کہ اڑتالیس میل بنتے ہیں غیر مقلدین کے پاس کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں نو میل کی صراحت موجود ہو۔ اگر ہے تو پیش کریں؛

ع۔ ارے او جلانے والے یہ تیرا ہی تھا نشیمن
جسے تو نے پھونک ڈالا میرا آشیاں سمجھ کر

وقت نمازِ عید:

یہ سرخی قائم کر کے خواجہ صاحب نے عید کی نماز کا وقت ذکر کیا ہے اور بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: احنافؒ ایک حدیث بیان کرتے ہیں: ان النبیؐ یصلی العید والشمس

علی قیدرمح اور محین۔ نبی علیہ السلام عید کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ایک نیزے یا دو نیزے پر ہوتا تھا۔ یہ حدیث ہدایہ کی زینت تو ہے (ص۱۳۱) مگر اہل ہدایہ کے عمل کی زینت نہیں۔ نیز سچ پوچھیے تو یہ حدیث بھی نہیں۔ آگے صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس حدیث کا ذکر صوفی عبدالحمید صاحب نے بھی ابن ماجہ اور ابوداؤد کے حوالے سے کیا ہے (نماز مسنون ص۶۹۲) مگر یقین جانیے یہ حدیث نہ ابن ماجہ میں ہے نہ ابوداؤد میں ہے (حی علی الصلوٰۃ ص۱۵۹)

جواب : ناظرین کرام! صوفی صاحب نماز مسنون کلاں ص۶۹۲ پر یہ سرخی قائم کرتے ہیں

نمازِ عید کا وقت

جب سورج اتنا بلند ہو جائے جس طرح اشراق کے وقت ایک نیزہ یا سوا نیزہ بلند ہو جاتا ہے تو اس وقت سے لے کر زوال سے پہلے ادا کر سکتا ہے (ہدایہ ص۱۱۹ ج۱، شرح نقایہ ص۱۲۸ ج۱، کبیری ص۵۶۷) ابن ماجہ میں ایک یا دو نیزے کی مقدار کے برابر سورج بلند ہونے پر آنحضرت کی نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ (ابن ماجہ ص۹۳، ابوداؤد ص۱۶۱ ج۱)

ناظرین کرام ہم نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ آپ غور کے ساتھ دیکھیں کہ صوفی صاحب نے وہ حدیث کہاں پر لکھی ہے جس کا ذکر خواجہ صاحب کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب کا یہ بہت بڑا بہتان ہے جو انہوں نے صوفی صاحب پر لگایا ہے کیونکہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں اس حدیث کا ذکر صوفی عبدالحمید نے بھی کیا ہے۔ ہمارا خواجہ صاحب سے یہ مطالبہ ہے آپ کردہ حدیث ہمیں دکھائیں۔ صوفی صاحب نے جس حدیث کا مفہوم ذکر کیا ہے وہ یہاں پر پوری نقل کی جاتی ہے۔ تاکہ ناظرین آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ سکیں۔ وہ حدیث یہ ہے :

عن عبداللہ بن بسر انہ خرج مع الناس

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کے

يوم فطر واضحي فانكر ابطاء الامام وقال ان كنا لقد فرغنا ساعتنا هذه وذلك حين التسبيح

(سنن ابن ماجہ صہ ۹۳)

ساتھ نکلے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے دن اور انہوں نے بُرا کہا امام کے دیر کرنے کو اور کہا ہم تو اس وقت فارغ ہو جاتے تھے یعنی اشراق کے وقت عید کی نماز سے

(ترجمہ وحید الزمان)

صوفی صاحب نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ نماز اس وقت پڑھی گئی تھی جبکہ سُورج ایک یا دو نیزے کی مقدار میں تھا۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور نفل نماز صبح کی نماز کے بعد اس وقت درست ہوتی ہے جب سُورج اچھی طرح نکل آئے یعنی جس وقت لوگ اشراق کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہی وقت ہے عید کی نماز کا بھی۔ جب سُورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہو جائے۔ احمد بن حسن بنا نے نکالا کتاب الاضاحی میں جندب سے کہ آنحضرتؐ ہمارے ساتھ عیدالفطر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سُورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جاتا اور عیدالاضحیٰ کی اس وقت پڑھتے جب سُورج ایک نیزے کے برابر بلند ہو جاتا نیز لکھتے ہیں کہ مگر سنّت وہی وقت ہے جس وقت آنحضرتؐ نے نماز پڑھی یعنی عیدالاضحیٰ کی ایک نیزے پر اور عیدالفطر کی دو نیزے پر (ابن ماجہ مترجم صہ ۵۹۴ ج ۱ تا صہ ۵۹۵) مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی غیر مقلد صلوٰۃ الرسول صہ ۴۰۰ پر لکھتے ہیں۔

(نوٹ) جب آفتاب دو نیزے پر آئے تو عیدالفطر پڑھیں اور ایک نیزے پر آئے تو عیدالاضحیٰ پڑھیں (تلخیص الحبیر) ناظرین کرام جو بات صوفی صاحب نے ابن ماجہ اور ابوداؤد کے حوالے سے ذکر کی ہے وہ ابوداؤد میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں بھی اور جس حدیث کا خواجہ صاحب حوالہ دے رہے ہیں وہ حدیث صوفی صاحب نے ذکر ہی نہیں کی خواجہ صاحب عوام کو یہ دھوکہ دے رہے ہیں کہ ایک نیزے اور دو نیزے کا ذکر جس حدیث میں موجود ہے وہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں نہیں ہے۔ خواجہ صاحب صوفی صاحب نے یہ کب کہا ہے کہ ایک نیزے اور دو نیزے والی حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ صوفی صاحب تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ نے جو نماز پڑھی ہے۔ اس کا وقت یہی تھا اور یہ بات آپ کے غیر مقلدین بھی تسلیم کر رہے ہیں۔

ع اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

نمازِ جنازہ میں سُورۃ فاتحہ!

خواجہ صاحب یہ عنوان قائم کر کے آگے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے جو آدمی جنازے میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کا نمازِ جنازہ بے جان ہے۔ کافی بحث کرنے کے بعد صوفی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ صوفی عبدالحمید فتاویٰ قاضیخان صفحہ ۹۳/۱ اور دُرِ مختار صفحہ ۱۲۲/۱ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔ قرآن کا پڑھنا نمازِ جنازہ میں غیر مشروع ہے۔ البتہ ثنا کے مقام پر اگر بطور ثنا و تمہید کے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں (نمازِ مسنون صفحہ ۳۶۷) صوفی صاحب کی اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں حالانکہ ایسی کوئی حدیث نہیں جسمیں یہ ہو کہ نمازِ جنازہ میں قرآن پڑھنا منع ہے کہتے ہیں بطور ثنا و تمہید کے پڑھ لے اسکا مطلب یہ ہے قرآن کو قرآن سمجھ کر نہ پڑھے میں پوچھتا ہوں کیا قرآن کو قرآن نہ سمجھنا کفر نہیں ہے۔

ایک مسئلہ بتلائیے کوئی حائضہ یا جنبی قرآن مجید ہاتھ میں پکڑ کر پڑھنا شروع کر دیں اور کہیں ہم قرآن سمجھ کر نہیں عام کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ صوفی صاحب موصوف فرماتے ہیں: ان عبداللہ بن عمر کان لا یقرء فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ (مؤطا امام مالک صفحہ ۹۰) بے شک حضرت عبداللہ بن عمرؓ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے اگر حدیث کے مقابلے میں اقوال پر ہی چلنا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ جو حنفیہ کو خاص طور پر عزیز ہیں ان کے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ میں آتا ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں قرأت فرماتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا یہ عمل چونکہ حنفیہ کے موافق نہیں اس لیے اس کا ذکر صوفی صاحب نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے برعکس ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ان النبیؐ لم یوقت فیھا قولا ولا قراءۃ (ابن قدامہ صفحہ ۴۸۵/۲) بے شک آنحضرتؐ نے کوئی دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے (کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ) کوئی خاص صورت پڑھنی مقرر نہیں فرمائی۔ اگر مطلق قرآت کی نفی ہو تو پھر نماز جنازہ میں کوئی دعا بھی نہیں مانگنی چاہئے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ نے قرآت کے ساتھ دعا کا ذکر بھی کیا ہے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۱۴۲ تا ص۱۴۳)

ناظرین کرام! ہم نے خواجہ صاحب کی کافی لمبی عبارت نقل کر دی ہے تاکہ بات ساری سمجھ آسکے۔ یہاں پر بھی خواجہ صاحب نے اپنی پرانی عادت کے مطابق صوفی صاحب کی پوری بات نقل نہیں فرمائی۔ عبارت کو کاٹ کاٹ کر تین جگہ پیش کیا ہے۔ ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نماز مسنون کلاں ص۶۳۶ پر یہ سرخی قائم کرتے ہیں:

نمازِ جنازہ میں قرآت

اس کے بعد لکھتے ہیں: نماز جنازہ میں اگر سورۃ فاتحہ بطور قرآت کے پڑھے گا تو مسیئی اور گنہگار ہو گا۔ کیونکہ قرآن کا پڑھنا نماز جنازہ میں غیر مشروع ہے۔ البتہ ثنا کے مقام پر اگر بطور ثناء و تمہید کے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں۔ (قاضیخان ص۹۳ ج۱ درمختار ص۱۲۲ ج۱) (اس مسئلہ کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں)۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت امام ابراہیم نخعی محمد بن سیرین ابوالعالیہ فضالہ بن عبادہ ابو بردہ عطا طاؤس میمون بکر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرآت نہیں کرتے یا منع کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۴۹۱ ج۳ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۸ ج۳ و ص۲۹۹ ج۳)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے: ان النبیؐ لم یوقت فیھا قولا ولا قراۃ (مغنی ابن قدامہ ص۴۸۵ ج۲، شرح نقایہ ص۱۳۳ ج۱) بے شک آنحضرتؐ نے نماز جنازہ میں کوئی خاص دعا اور قرآت مقرر نہیں فرمائی۔

۳۔ ان عبداللہ بن عمرؓ کان لا یقرء فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ (موطا امام مالک ص۲۱۰)

بے شک حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آنحضرتؐ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ حضرت بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ میں نے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ بھی مسنون ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرت عمرؓ عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت ابوہریرہؓ جنازہ میں قرأتِ قرآن سے انکار کرتے تھے اور تابعین میں سے حضرت عطا طاؤس سعید بن المسیب ابن سیرین سعید بن جبیر شعبی مجاہد اور ان کے علاوہ حمّاد امام سفیان بھی انکار کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ فاتحہ کو صرف ثنا کے طور پر پڑھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ علمائے احناف بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی وصیت میں بھی یہ لکھا ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو قرأ الفاتحة بنية الدعا فلا بأس (عالمگیری صؔ ۱۶۴ ج ۱) (فتاویٰ قاضی خان صؔ ۹۳ ج ۱، درمختار صؔ ۱۲۲ ج ۱) (اور اگر فاتحہ کو دُعا کی نیّت سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں) ہم نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت ہے یا کہ نہیں۔ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں سورۃ فاتحہ جنازہ میں پڑھنی فرض ہے جبکہ احناف یہ کہتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں ہے نہ سورۃ فاتحہ کی اور نہ سُورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کی۔ غیر مقلدین کے پاس اس بارے میں کوئی بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے اور نہ خواجہ صاحب نے ایسی کوئی حدیث ذکر کی ہے جسمیں نبی کریمؐ نے فرمایا ہو کہ جنازے میں سُورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ خواجہ صاحب نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔ اِس حدیث میں نمازِ جنازہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ خواجہ صاحب کو اتنا بھی علم نہیں کہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت ہونا ضروری ہے دعویٰ کو خاص کر رہے ہیں اور دلیل عام نقل کر رہے ہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد میں اس طرح آتی ہے۔ عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبي قال لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً قال سفيان لمن يصلي وحده (ابوداؤد ج ۱ صؔ ۱۱۹)

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: نماز نہ ہوگی اُس شخص کی جو سُورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔ سفیان نے کہا یہ حدیث اس کے واسطے ہے جو تنہا نماز پڑھے۔ ابوداؤد کے علاوہ مسلم شریف ج۱ ص۱۶۹ اور نسائی ج۱ ص۱۰۵ اور مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۹۳ کنز العمال ج۴ ص۲۱۴ میں بھی یہ حدیث آتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات صراحتاً ثابت ہوتی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے اور امام سفیان بن عیینہ کا قول ابوداؤد میں موجود ہے۔ اس حدیث کا جنازے میں فاتحہ پڑھنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خواجہ صاحب یہاں پر قیاس کر کے شیطان والا کام کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث پر قیاس کر کے نماز جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت بخاری سے نقل کی ہے اس کا جواب صوفی صاحب کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ اگر خواجہ صاحب میں ہمّت ہے تو اس روایت میں یہ دکھائیں کہ ابن عباسؓ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز جنازہ ناقص مانتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے بطور قرأت کے پڑھی ہے۔ صوفی صاحب نے عبداللہ بن عمرؓ کی جو روایت نقل کی ہے خواجہ صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر حدیث کے مقابلے میں اقوال پر ہی چلنا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ جو حنفیوں کو خاص طور پر عزیز ہیں ان کے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ میں آتا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت فرماتے تھے۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۱۶۳)

جواب : خواجہ صاحب کا یہ اعتراض کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں آتا ہے مگر صوفی صاحب نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ ان کے مسلک کے خلاف ہے حالانکہ بات دراصل یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت صوفی صاحب نے اس لیے ذکر نہیں کی کہ یہ حنفیوں کے خلاف ہے بلکہ اس کا نقل نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۲۹۶ مطبوعہ کراچی میں اس طرح آتی ہے: عن قتادة عن رجل من همدان ان عبد الله بن مسعودؓ

اس سند میں راوی رجل من ہمدان مجہول ہے۔ اس کے علاوہ غیر مقلدین کے ہاں تو قتادہ کی تدلیس

ہی حدیث کے ضعف کے لیے ہی کافی ہے۔

ناظرین کرام ! آپ نے دیکھ لیا کہ بات کیا ہے اور خواجہ صاحب یہ دھوکہ دے رہے ہیں کہ مسلک کی وجہ سے اُنہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ذکر نہیں کی۔

خواجہ صاحب کو شرم محسوس ہونی چاہیئے کہ صوفی صاحب اگر عبداللہ بن عمرؓ کی بات ذکر کریں تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث کے مقابلے میں اقوال پر چلنا ہے مگر خود عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کر رہے ہیں۔ صوفی صاحب نے کس حدیث کے مقابلے میں عبداللہ بن عمرؓ کا قول پیش کیا ہے ؟ خواجہ صاحب کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ ایک صحیح حدیث ایسی پیش کریں جو عبداللہ بن عمرؓ کے قول کے خلاف ہو۔ خواجہ صاحب نے جو یہ بات لکھی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ جو حنفیوں کو خاص طور پر عزیز ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کو عبداللہ بن مسعودؓ سے کوئی محبت اور عقیدت نہیں ہے جیسا کہ ان کی تحریر سے واضح ہے لیکن ہم تو اس بات میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا تعلق صحابہ کرامؓ کے ساتھ وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ مرتے دم تک قائم رکھے۔

ع ستمگروں کے ستم کے آگے نہ سر جھکا ہے نہ جھک سکے گا

شعارِ صادق پہ ہم ہیں نازاں جو کہہ رہے ہیں وہی کریں گے

نمازِ جنازہ میں قرأت نہ ہونے کے بارے میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس مسئلہ پر تفصیل دیکھنا چاہیے تو نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی "شرعی حیثیت" نامی رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ غیر مقلدین جس طریقے سے جنازہ پڑھاتے ہیں اور پڑھتے ہیں اس ترتیب سے کسی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ خواجہ صاحب کو اور دیگر غیر مقلدین علماء کرام کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ جس طریقہ سے جنازہ ادا کرتے ہیں ثابت کریں۔ غیر مقلدین کا جنازہ پڑھانے کا طریقہ درج کیا جاتا ہے۔ غیر مقلدین نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سبحانك اللھم، الخ، تعوذ، تسمیہ فاتحہ، آمین، سورۃ پڑھتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث پیش فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی تکبیر کے بعد

چھ چیزیں جنازہ میں اسی ترتیب سے پڑھی ہوں۔ دوسری تکبیر کے بعد خاص کر درود ابراہیمی جنازے میں پڑھتے ہیں۔ ایک صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں کہ آنحضرتؐ نے دوسری تکبیر کے بعد درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم دیا ہو یا کسی جنازہ میں خود پڑھا ہو۔ تیسری تکبیر کے بعد سات آٹھ دعائیں پڑھتے ہیں۔ ایک حدیث صحیح صریح پیش فرمائیں کہ آنحضرتؐ نے خاص تیسری ہی تکبیر کے بعد کئی دعائیں پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہوں۔ غیر مقلدین کا امام اونچی آواز سے یہ دعائیں پڑھتا ہے اور مقتدی پیچھے آمین آمین کہتے ہیں یہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ اگر خواجہ صاحب میں ہمت ہے تو حدیث شریف سے اپنا یہ نماز جنازہ کا طریقہ ثابت کریں۔ ہم انتظار کریں گے۔

ع گلستاں کے لیے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی
نظر میں حُسن پیدا کر سنور جائے گا ویرانہ

مسجد میں جنازہ

یہ سُرخی قائم کرکے خواجہ صاحب نے جو بات لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں میّت رکھ کر اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور حنفی اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ بحث کے آخر میں صوفی صاحب کا حوالہ دے کر عوام کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ صوفی صاحب نے حنفی مسلک کی تردید کی ہے اور مسلک اہلحدیث کی تائید کی ہے! صوفی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں صوفی عبدالحمید صاحب نے اس بات میں وسعت سے کام لیتے ہوئے حنفی مسلے کو تشدد و تعمق اور شریعت کے مزاج کے منافی قرار دیا ہے۔ اور مسجد میں جنازہ پڑھنے کو جائز رکھا ہے (نماز مسنون ص۴۲۸)

(حی علی الصلوٰۃ ص۱۷۹)

جواب: صوفی صاحب کی اس عبارت سے خواجہ صاحب عوام کو یہ دھوکہ دے رہے ہیں۔ کہ صوفی صاحب مسجد میں جنازہ پڑھنے کو مطلقاً جائز کہتے ہیں اور حنفی مسلک کی تردید کر رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کا دھوکہ

ناظرین کرام! یہ خواجہ صاحب کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ ہم آپ کے سامنے صوفی صاحب کی عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔ حضرت صوفی صاحب نے نماز مسنون صـ۲۷ پر یہ سُرخی قائم کی ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

اس سُرخی کے بعد صوفی صاحب نے لمبی چوڑی بحث کی ہے اور ائمہ اربعہؒ کا مسلک اس بارے میں نقل کیا ہے اور امام شافعی کا مسلک نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ مبارک میں عام طور پر مسجد میں نماز جنازہ ادا نہیں کیا جاتا تھا اس کے لیے مسجد سے باہر جگہ مقرر تھی۔ اسی میں ہی ادا کیا جاتا تھا (نماز مسنون کلاں صـ۲۷) نیز فقہا کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے یا غیر اَولیٰ ہے اس لیے کہ حضورؐ اکثر نماز جنازہ مسجد سے باہر ہی پڑھتے تھے۔ لہذا افضل یہی ہو گا کہ مسجد سے باہر ہی پڑھا جائے لیکن اگر میت مسجد سے باہر ہو اور امام بھی باہر ہو اور ایک صف بھی باہر ہو باقی لوگ مسجد میں ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسی صورت میں نماز جنازہ مکروہ ہو۔ اس لیے کہ جب مسجد میں جب تراویح، صلوٰۃ کسوف، خسوف، عیدین اور نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ جمعہ اور فرض عین نماز جب پڑھی جاتی ہے تو فرض کفایہ کے پڑھنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے جبکہ میت بھی مسجد سے خارج ہو (نماز مسنون کلاں صـ۲۸)

ناظرین کرام! ان دونوں حوالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صوفی صاحب مطلقاً مسجد میں جنازہ پڑھنے کے حق میں نہیں کیونکہ صوفی صاحب تو یہ لکھ رہے ہیں کہ افضل بات یہ ہے

کہ مسجد سے خارج ہی پڑھا جائے۔ ہاں اگر میت مسجد سے باہر ہو اور نمازی مسجد کے اندر ہوں تو پھر جائز کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے یہ تاثر دیا ہے کہ صوفی صاحب نے اہلحدیث مسلک کی تائید کر دی ہے اور مسجد میں جنازہ پڑھنے کو جائز کہہ دیا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

ع اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
چاک گریباں دیکھ ذرہ بند قبا دیکھ

خواجہ صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ صوفی صاحب نے حنفی مسلک کو تشدد و تعمق اور شریعت کے مزاج کے منافی قرار دیا ہے۔ اس عبارت سے خواجہ صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صوفی صاحب نے حنفی مسلک کو رد کیا ہے حالانکہ جس بات کو صوفی صاحب نے تشدد قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت خواجہ صاحب کو کرنی چاہیئے تھی لیکن خواجہ صاحب نے بات کو گول کر دیا ہے تاکہ عوام یہ خیال کریں کہ حنفی مسلک بالکل شریعت کے خلاف ہے صوفی صاحب نے جس بات کو تشدد کہا ہے وہ یہ ہے۔ "بعض فقہا نے مسجد میں ہر صورت میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ درست نہیں بلکہ ایک قسم کا تشدد و تعمق ہے جو شریعت کے مزاج کے منافی ہے۔" (نماز مسنون کلاں ص۷۸)

ناظرین کرام! صوفی صاحب نے اس بات کو تشدد قرار دیا ہے جو بعض فقہا کسی صورت میں بھی نماز جنازہ کو مسجد میں جائز قرار نہیں دیتے۔ یہ بات غلط ہے اسی کو صوفی صاحب نے تشدد سے تعبیر کیا ہے کیونکہ مجبوری کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھا جا سکتا ہے۔ ہم اس بحث کو حافظ ابن قیمؒ کے ایک حوالہ پر ختم کرتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

وأن سنة وهديه الصلاة على الجنازة خارج المسجد الا لعذر وكلا الامرين جائز والافضل الصلاة عليها خارج المسجد۔ (زاد المعاد ص۱۴۰ ج۱)

بے شک سنت اور آپ کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ پر نماز مسجد سے باہر پڑھی جائے مگر عذر کی حالت میں اور دونوں صورتیں جائز ہیں اور افضل یہی ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر پڑھا جائے۔

نماز جنازہ خارج از مسجد کے بارے میں اور بھی کافی دلائل موجود ہیں مگر یہاں پر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو تفصیل درکار ہو تو رسالہ "نماز جنازہ خارج از مسجد عہد رسالت میں" ملاحظہ فرمائیں :

نمازِ کسوف

یہ سُرخی قائم کرکے خواجہ صاحب نے جو بات لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کسوف میں ایک رکعت میں دو رکوع ہیں۔ حنفیہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حنفی صرف ایک رکعت میں ایک رکوع کے قائل ہیں جس کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ حضرت صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ؐ نے اس موقع پر متعدد رکوع کیے ہیں وہ ایک خاص کیفیت کے پیش نظر ایک خاص کیفیت اور حالت آپ پر طاری تھی۔ آپ بار بار رکوع کرتے تھے لیکن اُمت کے لیے بطور قانون یہ فرمایا جیسا کہ حضرت قبیصۃ الہلالی ؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا : فاذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ (ابوداؤد ج۱ ص۱۶۲، نسائی ج۱ ص۱۸۶) کہ جب تم دیکھو سُورج گرہن تو تم نماز پڑھو اس طرح جس طرح کہ قریب تر نماز تم نے پڑھی ہے فرض نمازوں میں سے (وہ صبح یا ظہر کی نماز ہو سکتی ہے) (نماز مسنون ص۵۹۱) صوفی صاحب کی یہ عبارت نقل کرکے اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تحقیق بالکل اسی نمونے کی ہے جیسے وقت نماز فجر کے سلسلہ میں آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں (حی علی الصلوٰۃ ص۱۹۰)

جواب :

ناظرین کرام! خواجہ صاحب نے یہاں پر بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ حضرت صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل نہیں کی۔ ہم یہاں پر صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کرکے مسئلہ کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نماز مسنون ص۵۹۱) میں یہ سرخی قائم کرتے ہیں۔

رکوع ایک یا دو !

آگے لکھتے ہیں حضرت امام شافعیؒ دوؔ رکوع کے قائل ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کے قائل ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ صحیح روایات میں ایک رکعت میں تین چار رکوع کا ذکر بھی ہے اور بعض روایات میں پانچ رکوع کا بھی (یہ بات تو خواجہ صاحب کو بھی تسلیم ہے) (حی علی الصلوٰۃ ص ۱۸۹) اور شاذ روایات میں چھ رکوع کا بھی ذکر ہے۔ شاذ روایت کو تو چھوڑ دیں باقی صحیح روایات میں امام شافعیؒ نے صرف دو رکوع والی روایت پر کس طرح اکتفا کر لیا ہے۔ جب روایات ایک جیسی ہیں تو اگر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء صرف ایک رکوع پر انحصار کر لیں اور دلائل کے ساتھ تو ان کو زمرہ اہلحدیث سے خارج کر دیا جائے۔ عجیب انصاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے اس موقع پر متعدد رکوع کیے ہیں وہ ایک خاص کیفیت کے پیشِ نظر ایک خاص کیفیت اور حالت آپ پر طاری تھی۔ آپ بار بار رکوع کرتے تھے۔ لیکن اُمت کے لیے بطور قانون یہ فرمایا جیسا کہ حضرت قبیصۃ الہلالیؓ سے روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

فاذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ	کہ جب تم دیکھو سورج گرہن کو تو تم نماز پڑھو اُسی طرح جس طرح قریب تر نماز تم نے پڑھی ہے فرض نمازوں میں سے (وہ صبح یا ظہر کی نماز ہو سکتی ہے)
(ابوداؤد ص ۱۶۸ ج ۱، نسائی ص ۱۶۷ ج ۱)	

ناظرین کرام! ہم نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ خواجہ صاحب صوفی صاحب کی عبارت پر یہ گرفت کی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمل آپ کا کچھ ہو اور اُمت کو کچھ حکم کریں اور فجر کی نماز کے سلسلے میں جو کہ پہلے گزر چکی ہے۔ اس پر قیاس کیا ہے کہ جیسے صوفی صاحب نے غلس اور اسفار کے مسئلے میں کیا ہے ویسے ہی یہاں پر کیا ہے۔ ناظرین کرام اس بات کا جواب ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے مختلف روایات میں تطبیق دی ہے کیونکہ اس بارے

میں روایات مختلف آئی ہیں کسی روایت میں ایک رکوع کے علاوہ زائد رکوع کا ذکر نہیں ملتا کسی میں
دو کسی میں تین کسی میں چار کسی میں پانچ اور کسی میں چھ، چھ والی روایت کے علاوہ باقی سب روایات
صحیح ہیں۔ ان روایات کا صحیح حل یہی ہے۔ کہ آپؐ نے بار بار رکوع کیا۔
یہ ایک خاص کیفیت اور خاص واقعہ پر محمول ہے۔ خواجہ صاحب نے دو والی روایت کو تو اختیار
کر لیا اور باقی تمام روایتوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ باقی روایتیں اس کے مقابلے میں مرجوح ہیں۔
خواجہ صاحب جب روایات صحیح ہیں تو مرجوح والی بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اس لیے
صوفی صاحب کی بات بالکل درست ہے اور تمام روایات کے مطابق بھی یہی بات ہے۔ اُمت
کے لیے آپؐ کا یہی فرمان ہے کہ جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے یعنی ایک رکعت میں ایک رکوع
اسی طرح کسوف کی نماز بھی ہے۔ صوفی صاحب نے اس کی ایک دلیل ذکر بھی کر دی ہے۔ کسوف کی
نماز عام نماز کی طرح ادا کرنے پر کافی دلائل موجود ہیں۔ ہم یہاں پر صرف حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۵، باب الصلوٰۃ فی الکسوف القمر اور نسائی ج ۱ ص ۲۲۳ میں حضرت ابو بکرہؓ کی روایت ہے نسائی ج ۱ ص ۲۱۹ اور ابو داؤد ج ۱ ص ۱۲۸ میں حضرت سمرہ بن
جندبؓ کی روایت۔ نسائی شریف ج ۱ ص ۲۱۹ و ج ۱ ص ۲۲۰ میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد
ج ۲ ص ۲۰۷ میں حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت موجود ہے۔ یہ سب روایات قبیصۃ الہلالیؓ کی روایت کے
علاوہ ہیں۔ ان تمام روایات میں کہیں بھی ایک رکعت میں دو رکوع کا ذکر موجود نہیں مگر خواجہ صاحب
فرماتے ہیں حنفیہ صرف ایک رکوع کے قائل ہیں (ہدایہ ص ۱۳۴) جس کی کوئی صحیح دلیل نہیں (رحی علی الصلوٰۃ ص ۱۲۳)
ناظرین کرام! خواجہ صاحب کی یہ بات ایک صریح جھوٹ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی
خواجہ صاحب تو فرماتے ہیں کہ کوئی دلیل نہیں۔ ہم نے پانچ صحابہ کرام سے یہ ثابت کیا ہے۔ خواجہ صاحب
حضورؐ نے اُمت کے لیے جو طریقہ فرمایا ہے وہ یہی ہے جو فجر کی نماز والا ہے یعنی ایک رکوع کے ساتھ
حضورؐ کے بعد بھی جس بات پر عمل جاری رہا وہ بھی حنفیہ کی تائید کرتا ہے چنانچہ آپ کی وفات کے
بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں صلوٰۃ الکسوف ایک ہی رکوع کے ساتھ پڑھی۔
(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۶ و ۲۰۷) حضرت عثمانؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی صلوٰۃ الکسوف ایک

رکوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ (شرح معانی الآثار ج۱ ص۱۶۳)

ناظرین کرام! جن روایات پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا۔ حنفیہ بھی انہی روایات پر عمل پیرا ہیں اور مختلف روایات کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ ان میں تطبیق دی کہ یہ ایک خاص واقعہ پر محمول ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

نمازِ کسوف میں جہری قرأت

یہ سُرخی قائم کر کے خواجہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ کسوف میں جہری قرأت ہونی چاہیئے اور جن روایات میں سِرّی کا ذکر تھا ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ضعیف ہیں اور صحیح بات نمازِ کسوف جہر کے ساتھ پڑھنا ہی ہے۔ بحث کے آخر میں صوفی صاحب کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ زیادہ تر حصہ آپ نے آہستہ پڑھا تھا۔ اور کچھ حصہ جہر کے ساتھ بھی پڑھ لیا ہوگا۔ قرأت بالجہر یا بالاخفاء دونوں طرح روا ہے صرف افضلیت میں اختلاف ہے۔ (نماز مسنون ص۵۹)

جواب : ناظرین کرام یہاں پر بھی خواجہ صاحب نے صوفی صاحب کی پوری عبارت نقل نہیں فرمائی جتنی نقل کی ہے اس میں بھی خیانت کی ہے۔ درمیان میں نقطے لگا کر عبارت چھوڑ دی ہے اور اس کے بعد والی عبارت نقل کی ہے۔ ہم یہاں پر صوفی صاحب کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں اور خواجہ صاحب کی خیانت بھی واضح کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نماز مسنون کلاں ص۵۸۹ پر یہ سرخی قائم کرتے ہیں۔ صلوٰۃ کسوف میں **قرأت بالجہر افضل ہے یا بالسّر**۔ آگے لکھتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سرًّا زیادہ افضل ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ حضرات جہر کو افضل کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے استدلال تام نہیں اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ ایک قسم کی روایات وہ ہیں جن میں جہرِ قرآن کا ذکر ملتا ہے اور دوسری روایات وہ ہیں جن میں اندازہ لگانے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ اندازہ لگانے کی صورت میں قرأت بالجہر نہ ہوگی البتہ

اس توجیہہ کو اگر آپ پیشِ نظر رکھیں جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے کہ کچھ حصہ قرأت کا بالجہر بھی ہوگیا ہو تو کوئی بھی بعید نہیں اور باقی حصہ بالاخفاء ہو اور پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت میں بھی اخفاء کا ذکر ہے تو اس بنا پر اگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قرأت بالاخفاء کو ترجیح دی ہے تو عین ثواب ہے اور حدیث کے مطابق ہے (آگے بالسر قرأت کرنے کے دلائل ذکر کیے ہیں)

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت میں۔

(۱) فقام بنا کاطول ما قام بنا فی صلوٰۃ قط لا نسمع لہ صوتاً (ابوداؤد ج۱ ص۱۶۸، نسائی ج۱ ص۱۶۷، ترمذی ص۱۰۱)

آنحضرتؐ نے ایسا لمبا قیام کیا کہ ایسا لمبا قیام کبھی بھی کسی نماز میں نہیں کیا تھا۔ جو آپ نے ہمیں پڑھائی اور ہم آپؐ کی آواز نہیں سنتے تھے (یعنی آپؐ قرأت آہستہ کرتے تھے)

(۲) اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

فصلی بالناس فقام فخزرت قرائتہ فرأیت انہٗ قرع سورۃ البقرۃ و فی روایۃ فخزرت قرائتہ فرأیتہ انہ قرأ بسورۃ آل عمران۔

(ابوداؤد ج۱ ص۱۶۸)

حضورؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو میں نے اندازہ لگایا آپ کی قرأت کا وہ اتنی لمبی تھی جتنی سورہ بقرہ ہوتی ہے اور ایک دوسری روایت میں اس طرح آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ لگایا تو سورۃ آل عمران جتنی معلوم ہوئی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے:

قال صلیت مع رسول اللہ الکسوف فلم اسمع منہ حرفاً من القرآن

(مسند احمد ج۱ ص۲۹۳، طحاوی ج۱ ص۱۹۷)

میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ کسوف الشمس (سورج گرہن کے وقت نماز پڑھی) اور میں نے آپ سے اس نماز میں ایک حرف بھی قرآن پاک کا نہیں سنا (یعنی آپ آہستہ قرأت کرتے تھے)

(۴) قال صلیت خلف النبیؐ الخسوف فلم اسمع منہ فیہا حرفاً واحداً

(مسند احمد ج۱ ص۲۹۳)

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو حرف واحد بھی آپ سے اس نماز میں نہیں سنا۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ بچے تھے اور بچوں کی صف میں تھے اور وہ پیچھے ہوتی ہے اس لیے وہ دُور ہونے کی وجہ سے نہ سُن سکے ہوں گے لیکن یہ توجیہہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت میں جو ہے کہ آپ نے جہراً قرأت کی تو اُنہوں نے آپؐ سے سُن لیا کیونکہ بہرحال عورتوں کی صف بچوں سے پیچھے تھی۔ (اس سے آگے صوفی صاحب نے وہ بات ذکر کی ہے جسے خواجہ صاحب نے قطع برید کر کے پیش کیا ہے) صحیح بات یہ ہے کہ زیادہ تر حصّہ آپؐ نے آہستہ پڑھا تھا اور کچھ حصّہ جہر کے ساتھ بھی پڑھ لیا ہوگا۔ (خواجہ صاحب نے یہ عبارت یہاں تک لکھ کر آگے نقطے لگا کر پوری تین سطریں چھوڑ دیں وہ تین سطریں یہ ہیں) : کیونکہ عبداللہ بن عباس رضؓ کی دوسری روایت جو مسلم میں ہے وہ اس کا قرینہ ہے کہ آپ نے لمبا قیام کیا جیسا کہ تقریباً سُورۃ بقرہ کی قرأت جتنا طویل قیام کیا اگر قرأت کلیۃً بالجہر ہوتی تو ایسا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیتے کہ فلاں فلاں سُورت آپ نے پڑھی تھی۔ (یہ عبارت جو ہم نے اب ذکر کی ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کی) اور یہ قرأت بالجہر یا بالاخفاء دونوں طرح روا ہے۔ صرف افضلیت میں اختلاف ہے کہ زیادہ افضل طریقہ جہر ہے جیسا کہ امام شافعی اور دیگر حضرات کہتے ہیں یا اخفا قرأت زیادہ افضل ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں :

ناظرین کرام! ہم نے صوفی صاحب کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صوفی صاحب کیا فرما رہے ہیں اور خواجہ صاحب کیا کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب صوفی صاحب کی یہ عبارت نقل کر کے عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صوفی صاحب نے بھی جہراً قرأت کرنے کی بات کو تسلیم کر لیا ہے جو کہ اہلحدیث حضرات کا مذہب ہے۔ خواجہ صاحب آپ کو علم ہونا چاہیئے علمائے احناف اور خاص کر علمائے دیوبند جن میں صوفی صاحب بھی شامل ہیں انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور حتی الامکان احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کا یہ طریقہ ہے۔ اور خاص کر خواجہ صاحب نے تو یہ قسم کھا رکھی ہے کہ

احناف کے مسئلے کو غلط ہی ثابت کرنا ہے چاہے وہ قرآن یا احادیثِ صحیحہ سے ہی ثابت کیوں نہ ہو جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ ایسا کیا ہے۔

ع ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

سجدۂ تلاوت

یہ سُرخی قائم کر کے خواجہ صاحب نے جو بات ذکر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے پہلی بات کہ قرآن میں سجدوں کی تعداد پندرہ ہے جبکہ حنفی چودہ سجدوں کے قائل ہیں۔ دوسری بات یہ ذکر کی ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں سُنّت ہے۔ بحث کے آخر میں صوفی صاحب کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتے ہیں صوفی عبدالحمید صاحب دیوبندی فرماتے ہیں۔ گراموفون، ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈ، لاؤڈ سپیکر وغیرہ آلات سے پڑھی جانے والی آیاتِ سجدہ سُننے والے پر اگرچہ سجدہ واجب نہ ہو گا لیکن سجدہ ادا کر لینا بہتر ہے (نماز مسنون ص۵۲۸)

اس عبارت پر اعتراض کرتے ہُوئے آگے لکھتے ہیں آج کل لاؤڈ سپیکر کا زمانہ ہے آلات کی شرط لگانے سے حنفی حضرات سجدۂ تلاوت کے عدم وجوب میں آہستہ آہستہ ہمارے قریب ہی پہنچ گئے ہیں۔ (حی علی الصلوٰۃ ص۲۰۴)

جواب: ناظرین کرام! ہم صوفی صاحب کی پُوری عبارت نقل کرتے ہیں جس مسئلہ کی پوری وضاحت ہو جائے گی صوفی صاحب نماز مسنون کلاں ص۵۲۲ پر یہ سُرخی قائم کرتے ہیں

سجدۂ تلاوت

یہ سُرخی قائم کر کے آگے سجدۂ تلاوت کے متعلق ہر قسم کے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ یہ بحث ص۵۲۲ سے شروع ہو کر ص۵۳۲ پر ختم ہوتی ہے۔ یہاں پر مکمل بحث درج کی جاتی ہے۔

سُرخی قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں قرآن کریم میں کئی مقامات میں ایسی آیاتِ مُبارکہ ہیں جن میں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ نماز کے سجدہ کے علاوہ ہیں۔ کسی جگہ سجدہ کرنے کا حکم اور امر ہے، کسی جگہ سجدہ کرنے کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے اور کسی جگہ سجدہ سے اعراض کرنے والوں پر عتاب و عقاب اور سزا کا بیان ہے۔ اس لیے شارع علیہ السلام نے ان مقامات پر قرآنِ کریم کی آیات تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت ضروری قرار دیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم کرتے ہوئے نیکی و خیر کی طرف مبادرت کرنے والا ہے

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ سجداتِ تلاوت واجب ہیں امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ دیگر ائمہ کرام سجداتِ تلاوت کو سنّت مانتے ہیں واجب نہیں تسلیم کرتے

(ہدایہ صفحہ ۱۱۱ ج ۱ ، شرح نقایہ صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴ ج ۱)

۱۔ فما لھم لا یؤمنون ﴿۲۰﴾ واذا قرئ علیھم القران لا یسجدون ۝ السجدۃ (انشقاق پ ۳۰)

تو ان منکروں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے رُوبرو قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃؓ اذا قرا ابن ادم السجدۃ فسجد اعتزل الشیطان یبکی یقول یاویلہ امر ابن ادم بالسجود فسجد فلہ الجنۃ وامرت بالسجود فابیت فلی النار (مسلم صفحہ ۶۱ ج ۱)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جب ابنِ آدم سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ افسوس میری حالت پر ابنِ آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور اسکو جنّت ملی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے انکار کیا تو میرے لیے دوزخ ہے۔

(ابلیس کا یہ کہنا افسوس کی بناء پر نہیں، بلکہ ابنِ آدم پر حسد کی بناء پر ہے اگر افسوس و حسرت کی بناء پر ہوتا تو وہ توبہ کر لیتا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ محض حسد کی وجہ سے ایسا کہتا ہے)

مسئلہ : حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسے مقاماتِ قرآنِ پاک میں چودہ ہیں جن کی تلاوت کرنے پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اور وہ مقامات ان سُورتوں میں ہیں :

سورۃ اعراف، الرعد، النحل، الاسرا، مریم، حج کا پہلا سجدہ، الفرقان، النمل، السجدۃ، ص، حٰم السجدۃ، النجم، اذا السماء انشقت، اقراء (ہدایہ ص۱۱۱ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۴ ج۱، کبیری ص۴۸۸)

۱۔ عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ یعد ان کم فی القرآن من سجدۃ فقالا: الاعراف والرعد، والنحل وبنی اسرائیل ومریم والحج اولها والفرقان، وطٰس والمٓ تنزیل وص و حٰم السجدۃ (مصنف عبدالرزاق ص۳۳۵ ج۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں قرآن کریم کے سجدات کو ان سورتوں میں شمار کرتے تھے، سورۃ اعراف، رعد، نمل، بنی اسرائیل، مریم، حج میں پہلا سجدہ، فرقان، طٰس، المٓ تنزیل، ص، حم السجدۃ۔

۲۔ عن ابن مسعودؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرء سورۃ النجم فسجد بها فما بقی احدٌ من القوم الاسجد الخ (بخاری ص۱۴۶ ج۱، مسلم ص۲۱۵ ج۱، طحاوی ص۲۰۷ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم تلاوت کی اور سجدہ ادا کیا اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔

۳۔ عن ابی ہریرۃؓ قال سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اذا السماء انشقت و اقراء باسم ربك الذی خلق۔ (مسلم ص۲۱۵ ج۱)

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرا میں سجدہ تلاوت ادا کیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی قرآن پاک میں سجدہ کے چودہ ۱۴ مقامات ہیں، وہ سورۃ حج میں دو سجدے مانتے ہیں اور سورۃ "صٓ" میں سجدہ نہیں مانتے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سورۃ حج میں ایک سجدہ مانتے ہیں۔ اور سورۃ حج کے دوسرے مقام۔ پر سجدہ صلوٰۃ مانتے ہیں اور سورۃ صٓ میں سجدہ تلاوت تسلیم کرتے ہیں۔

۱۔ عن ابن عباسؓ قد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يسجد فيها (صٓ) (بخاری صفحہ ۱۴۶ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا سورۃ "صٓ" میں سجدہ ادا کرتے تھے۔

۲۔ عن ابی سعید ن الخدریؓ قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقرأ "صٓ" فلما مر بالسجود نزل فسجد وسجدنا معهٗ (ابوداؤد صفحہ ۲۰۰ ج ۱، مستدرک حاکم صفحہ ۴۳۱ ج ۲)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں سورۃ "صٓ" پڑھی، جب سجدہ کے مقام میں پہنچے تو ممبر سے نیچے اتر کر سجدہ ادا کیا، اور ہم لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔

۳۔ عن سعید بن المسیبؒ والحسنؒ قالا فی الحج سجدة واحدة الاولیٰ منها (مصنف ابن شیبہ صفحہ ۱۲ ج ۲)

حضرت سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں ایک ہی سجدہ ہے وہ پہلا ہے۔

۴۔ اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ ابراہیم نخعیؒ جابر بن یزیدؒ سے منقول ہے۔ (مصنف ابن شیبہ صفحہ ۱۲ ج ۲)

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سجدات تلاوت صرف گیارہ ہیں، باقی ان کے نزدیک غیر مؤکدہ ہیں۔

(۱) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سورۃ النجم، اذا السماءُ انشقت اور اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف (ہجرت کے بعد) تشریف لے گئے ہیں اس وقت سے آپ نے مفصل (قرآن کی آخری منزل جو سورۃ حجرات سے آخر تک ہے) میں کسی آیت میں سجدہ نہیں کیا۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۹۹ ج ۱)

محدث ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور محدث عبدالحقؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث

قوی نہیں ہے (شرح نقایہ ص۱۱۵ ج۱)

اور اس کے برعکس صحیحین وغیرہ کی روایات قوی اور صحیح ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اذا السماء انشقت اور اقرأ باسم ربک میں سجدہ کیا (مسلم ص۲۱۵ ج۱)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا اور جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ کے پڑھنے پر سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی سجدہ نہ کرتا، اب ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں (بخاری ص۱۴ ج۱، مسلم ص۲۱۵ ج۱)

۳۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ "ص" تلاوت فرمائی اور آپ منبر پر تشریف فرما تھے۔ سجدہ کی آیت پر جب آپ پہنچے تو نیچے اتر کر آپ نے سجدہ ادا کیا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی سجدہ ادا کیا (ابوداؤد ص۲ ج۱)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی، اور اس وقت آپ کی مجلس میں جو بھی مسلمان، مشرک، جن اور انسان موجود تھے سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا، صرف ایک کافر (امیہ بن خلف) ایسا تھا کہ جس نے سجدہ نہیں کیا، بلکہ تھوڑی سی مٹی لے کر اپنی پیشانی سے لگالی اور کہنے لگا میرے لیے یہی کافی ہے۔ وہ کافر بعد میں بدر کی لڑائی میں کفر کی حالت میں ہی مارا گیا تھا۔

(بخاری ص۱۴۶ ج۱، مسلم ص۲۱۵ ج۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"سب کا سجدہ کرنا یہ ایک اضطراری حالت تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی نازل ہو رہی تھی، مسلمانوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سجدہ ادا کیا، اور کافر و مشرک لوگ اس تجلی کی وجہ سے مجبور ہو گئے اور انہوں نے بھی سجدہ کیا واللہ اعلم (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴ ج۲)

(۲) امام مالکؒ کا دوسرا استدلال حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت سے ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدات ادا کیے ہیں جن میں مفصل میں سے ایک سورۃ بھی نہیں ہے (ابن ماجہ ص۷۶) ابن ماجہ کی یہ روایت ضعیف ہے، اگر اس روایت کو کسی درجہ تک مان بھی لیا جائے تو اس کا وہ مطلب نہیں بنتا جو انہوں نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں گیارہ سجدات کا اثبات ہے اور یہ گیارہ وہ سجدات ہیں جو مفصل میں نہیں ہیں۔ اس سے مطلقاً مفصل میں سجدات کی نفی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ گیارہ سجدات مفصل میں نہیں ہیں، بلکہ دوسرے حصوں میں ہیں۔ حالانکہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں پندرہ سجدات والی روایت بھی موجود ہے

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ آیات سجدہ تلاوت فرمائیں اور سجدات تلاوت ادا فرمائے، جن میں تین سجدات مفصل میں ہیں اور حج میں دو سجدے ہیں' (ابوداؤد ص۱۹۹ ج۱، ابن ماجہ ص۷۶)

احناف کرام فرماتے ہیں کہ حج کا دوسرا سجدہ نماز کا سجدہ ہے

عن ابن عباسؓ قال فی سورة الحج الاولیٰ عزیمة والاٰخرة تعلیم (طحاوی ص۲۱۳ ج۱، مصنف عبدالرزاق ص۳۴۲ ج۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں پہلا سجدہ تلاوت مؤکد ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم ہے یعنی اس میں نماز کے سجدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

بہرحال اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک زیادہ راجح ہے، سجدات چودہ ہیں۔ اور سجدہ واجب ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

مسئلہ: سجدہ کی آیت تلاوت کرتے وقت بہتر تو یہ ہے کہ فوری طور پر سجدہ کر لیا جائے۔ لیکن فی الفور وجوب نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت نہ کر سکے تو بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے، اور یہ اس کے ذمہ واجب ہوگا۔

قال الثوری تقضی السجدة اذا سمعتها ولم تسجدها۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۵ ج۳)

امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ تو سجدہ کی قضا کر اگر تو نے سننے کے بعد سجدہ نہ کیا ہو۔

ممکن ہے وہ شخص اس کے لیے اس وقت تیار نہ ہو، بعد میں جب باطہارت ہوگا تو ادا کرے گا۔

مسئلہ: بغیر قصد سماع کے بھی اگر آیت سجدہ سنے گا تو سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

(ہدایہ ص۱۱۱ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۵ ج۱، کبیری ص۵۰۰)

۱۔ قال عثمان انما السجدة علیٰ من استمعها (بخاری ص۱۴۶ ج۱، مصنف عبدالرزاق ص۳۴۴ ج۳)

حضرت عثمانؓ بن عفان کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت اس شخص پر واجب ہے جس نے اس کو سنا۔

۲۔ عن ابن عمرؓ قال انما السجدة علیٰ من سمعها (مصنف ابن ابی شیبہ ص۶ ج۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ سجدہ اس پر (ضروری) ہے جس نے آیت سجدہ کو سنا ہے۔

۳۔ عن ابراھیم ونافع وسعید بن جبیرؒ قالوا من سمع السجدة فعلیه ان یسجد (مصنف ابن ابی شیبہ ص۵ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت نافعؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ یہ سب حضرات کہتے ہیں کہ جس نے سجدہ والی آیت سنی تو اس پر سجدہ ضروری ہے۔

۴۔ عن سعید بن المسیبؒ قال انما السجدة علیٰ من سمعها۔ (سنن الکبریٰ للبیہقیؒ ص۳۲۴ ج۲)

حضرت سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ سجدہ تلاوت اس پر ہے جس نے اس سجدہ کی آیت کو سنا ہے۔

مسئلہ: آیت سجدہ کو سننے والے پر اس وقت سجدۂ تلاوت واجب ہوگا جبکہ وہ وجوب صلوٰۃ کا اہل ہو، اسی وجہ سے جنبی پر واجب ہوتا ہے اور حیض ونفاس والی عورتوں پر واجب نہیں ہوتا۔

(شرح نقایہ ص۱۱۴ ج۱)

۱۔ عن ابراھیم وسعید بن المسیب انهما قالا اذا سمع الجنب اغتسل ثم سجد (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ جب جنبی آدمی سجدہ کی آیت سنے تو غسل کرنے کے بعد سجدہ ادا کرے۔

۲۔ عن ابن جریج قال قلت لعطاءؒ

ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاؒ سے

ارأیت ان مرت حائض بقوم یقرءون فیسجدون اتسجد معهم؟ قال لا قد منعت خیراً من ذلک

(مصنف عبدالرزاق ص ۳۲۱ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴ ج ۲)

کہا جب حیض والی عورت ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو تلاوتِ قرآن کر رہے ہوں، اور وہ سجدہ تلاوت کریں، تو حیض والی کیا ان کے ساتھ سجدہ کرے تو عطاءؒ نے کہا کر نہیں، وہ اس حالت میں سجدہ تلاوت سے زیادہ بہتر بات (نماز) سے بھی منع کی گئی ہے۔

۲۔ اسی طرح امام ابراہیم نخعیؒ سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ، ابوالضحیٰؒ سے منقول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳، ۱۴ ج ۲)

مسئلہ: صاحب شرح نقایہؒ نے بحوالہ فتاویٰ محیط نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کافر یا صبی عاقل (سمجھدار بچہ) حیض و نفاس والی عورت سے یا جنبی یا بے وضو شخص سے آیت سجدہ سُنے تو سجدہ واجب ہو گا، اور اگر مجنون یا نائم سے سُنے گا تو سجدہ واجب نہ ہو گا۔ کیونکہ تلاوت بغیر معرفت و تمیز کے صادر ہوئی ہے۔

لیکن اگر بدمست نشے والے سے سُنی ہے تو سجدہ واجب ہو گا۔ کیونکہ اس کی عقل تو ہے۔ (گو نشے کی وجہ سے مستور ہو گئی ہے) (شرح نقایہ ص ۱۱۵ ج ۱)

امام مالکؒ کے نزدیک تلاوت کرنے والا مرد ہو اور سامع سجدہ کرنے کا مکلف ہو تو تب سجدہ تلاوت واجب ہو گا ورنہ نہیں۔ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۱۵)

مسئلہ: گراموفون، ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈ، لاؤڈ سپیکر وغیرہ آلات سے پڑھی جانے والی آیات سجدہ سُننے والے پر اگرچہ سجدہ واجب نہ ہو گا، لیکن سجدہ ادا کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت پڑھنے والے، سُننے والے سب پر واجب ہوتا ہے خواہ سُننے کا قصد و ارادہ نہ بھی کرے، پھر بھی اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ (ہدایہ ص ۱۱ ج ۱، کبیری ص ۵۰۰، شرح نقایہ ص ۱۱۵ ج ۱)

مسئلہ: سجدہ تلاوت نماز میں اور نماز سے خارج بھی واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت ادا کرنے کے لیے وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو نماز کے لیے ضروری ہیں،

وضو و طہارت کا ہونا، قبلہ رُخ ہونا، لباس کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا وغیرہ (شرح نقایہ ص ۱۱۴ ج ۱)

۱۔ عن ابن عمرؓ انہ قال لا یسجد الرجل الا وھو طاھر (بیہقی ص ۳۲۵ ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کوئی شخص سجدہ نہ کرے جب تک کہ وہ پاک (طہارت کی حالت میں) نہ ہو۔

۲۔ قال الزھری لا تسجد الا ان تکون طاھرا فاذا سجدت وانت فی حضر فاستقبل القبلۃ۔ (بخاری ص ۱۴۶ ج ۱، بیہقی ص ۳۲۶ ج ۲)

امام زہریؒ کہتے ہیں کہ بغیر طہارت کے سجدہ نہ کرو، اور جب تم سجدہ کرو قبلہ کی طرف رُخ کرو۔

۳۔ عن سفیان بن حسین قال سمعت الحسنؒ وقرأ السجدۃ التی فی "ص" فسجد علی حرف اسطوانۃ ثم قال للقوم توجھوا (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵ ج ۲)

حضرت سفیان بن حسینؒ کہتے ہیں میں نے حضرت حسن بصریؒ کو سنا ہے کہ انہوں نے سورۃ "ص" کی سجدہ والی آیت پڑھی اور ستون کے ایک طرف سجدہ کیا، پھر انہوں نے لوگوں سے کہا تم بھی قبلہ رُخ ہو جاؤ۔

۴۔ حضرت ابو عبد الرحمٰنؒ سے منقول ہے کہ جب وہ آیت سجدہ تلاوت کرتے تو قبلہ رُخ ہوتے تو پھر سجدہ کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵ ج ۲)

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ سجدہ تلاوت بغیر طہارت کے بھی ادا ہو سکتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ : حیض و نفاس والی عورت، جنابت والا اور چھوٹا بچہ جو شعور رکھتا ہے، اور کافر سے اگر آیت سجدہ سُنے گا تو سجدہ واجب ہو گا۔ (نور الایضاح ص ۱۲۴)

مسئلہ : شریک نماز مقتدی کے پڑھنے سے امام اور مقتدی پر سجدہ واجب نہیں ہو گا۔ (جامع صغیر ص ۱۶، ہدایہ ص ۱۱ ج ۱، شرح نقایہ ص ۱۱۶ ج ۱، کبیری ص ۵۰۰)

مسئلہ : اگر نماز سے باہر والے کسی شخص سے نماز کے اندر سُنے گا تو نماز کے بعد سجدہ ادا کرنا ضروری ہو گا (جامع صغیر ص ۱۶، ہدایہ ص ۱۱۱ ج ۱، کبیری ص ۵۰۰، نور الایضاح ص ۱۲۴)

۱۔ عن ابن سیرین قال یسجد اذا انصرف (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲ ج ۲)

امام محمد ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کرے جب نماز سے فارغ ہو (یعنی جب نماز میں کسی باہر والے شخص سے سُنا ہو)

۲۔ عن ابن سیرینؒ لاتدخل فی صلاتك مالیس فیها قال سفیانؒ نقول اقضها بعد۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۵۱ ج۲)

امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ جو سجدہ صلاتیہ نہیں وہ نماز میں ادا نہیں ہوگا، امام سفیان ثوریؒ نے کہا ہم کہتے ہیں کہ اس کو نماز کے بعد قضاء کرے۔

مسئلہ: مستحب ہے کہ پڑھنے والا آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے تاکہ کسی کو دشواری نہ پیش آئے۔ (ہدایہ ص۱۱۲ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۷ ج۱، کبیری ص۵۰۷)

مسئلہ: مکروہ ہے کہ آیت سجدہ ترک کردی جائے اور باقی آیات پڑھی جائیں۔ لیکن اگر سجدہ والی آیت پڑھے اور باقی آیات ترک کردے تو اس میں کراہیت نہیں ہے۔
(جامع صغیر ص۱۶، ہدایہ ص۱۱۲ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۷ ج۱، کبیری ص۵۰۷)

۱۔ وعن الشعبی قال وکانوا یکرھون اذا اتوا علی السجدة ان یتجاوزوھا حتی یسجدوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳ ج۲)

حضرت امام شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ سلف (صحابہ کرامؓ) جب وہ سجدہ والی آیت پر آتے تو اس سے تجاوز کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے یہاں تک کہ اس کو پڑھ کر سجدہ ادا کرلیں۔

مسئلہ: درخت کی ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اگر چلا جائے گا تو مجلس تبدیل ہوجائیگی اور اگر اسی آیت کو وہاں بھی پڑھے گا تو دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔
(ہدایہ ص۱۱۲ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۷ ج۱، کبیری ص۵۰۳)

مسئلہ: سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر سجدہ کرے اور اس میں تسبیح پڑھے، پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر اٹھ جائے۔

۱۔ عن ابراھیمؒ والحسنؒ انھما قالا اذا قرأ الرجل السجدة فلیکبر اذا رفع رأسه واذا سجد (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حسن بصریؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب کوئی شخص سجدہ ادا کرتا ہے تو وہ تکبیر کہے اور جب سجدہ سے سر اٹھائے تو پھر بھی تکبیر کہے۔

۲۔ اسی طرح ابوقلابہؒ وابن سیرینؒ اور مسلم بن یسارؒ سے منقول ہے کہ سجدہ کرنے کے وقت تکبیر کہہ کر سجدہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲ ج۲)

مسئلہ: سجدۂ تلاوت میں سلام نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف تکبیر کہہ کر سر اٹھالے۔

۱۔ عن الاعمش قال کان ابراھیم وابوصالح ویحییٰ بن وثاب لایسلمون فی السجدۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱ ج۲)

حضرت اعمشؒ نے کہا کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ ابوصالحؒ اور یحییٰ بن وثابؒ سجدہ تلاوت میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

۲۔ اسی طرح حضرت حسن بصریؒ، عطا بن ابی رباحؒ، سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے کہ وہ سجود قرآن میں سجدہ سے سر اٹھاتے اور سلام نہیں پھیرتے تھے (مصنف ابن شیبہ ص۱ ج۲)

مسئلہ: اگر نماز پڑھ رہا ہے اور آیت سجدہ تلاوت کی تو آیت کے اختتام پر سجدہ تلاوت ہو اور یہ قرأت ختم کرکے رکوع کرنا چاہتا ہو تو رکوع میں ہی سجدہ کی نیت کرلے تو سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ (شرح نقایہ ص۱۱۶ ج۱، کبیری ص۵۰۵)

۱۔ عن ابراھیم قال اذا کان فی اٰخر السورۃ سجدۃ اجزاک ان ترکع بھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۹ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ جب سورۃ کے آخر میں سجدہ ہو تو تم رکوع کرو تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ (بشرطیکہ نیت کرلی ہو)

۲۔ اسی طرح حضرت علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ، عمرو بن شرحبیلؒ، امام شعبیؒ، طاؤسؒ، عبدالرحمٰن بن یزیدؒ سے منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۸-۱۹ ج۲)

مسئلہ: جنابت کی حالت میں آیت سجدہ سنی تو غسل کرنے کے بعد سجدہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ: جو مرد عورتیں قرآن پڑھتے ہوئے قرآن پر ہی سجدہ کرلیتے ہیں وہ سجدہ ادا نہ ہوگا۔

مسئلہ: حیض ونفاس والی آیت سجدہ سن لیں تو ان پر سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: نماز کے اندر جو سجدہ واجب ہوا ہو وہ نماز کے اندر ہی ادا کرنا چاہیے۔ نماز سے باہر وہ ادا نہ ہوگا اور آدمی گنہگار ہوگا۔ (جامع صغیر ص۱۶، ہدایہ ص۱۱۱ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۶ ج۱، کبیری ص۵۰۱)

مسئلہ : ایک مجلس میں بار بار سجدہ کی آیت کا تکرار کیا تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اگر ایک مجلس میں متعدد آیاتِ سجدہ پڑھیں تو ہر ایک کے لیے الگ الگ سجدہ کرنا ہوگا۔

(جامع صغیر ص۱۶، ہدایہ ص۱۱۱ ج۱، شرح نقایہ ص۱۱۷ ج۱، کبیری ص۵۰۳)

۱۔ عن الحسنؒ وابراھیمؒ فی الرجل یقرءُ السجدۃ ثمّ یعید قراء تھا قالا تجزیہ السجدۃ الاولیٰ

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳ ج۲)

حضرت حسن بصریؒ اور امام ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے اس شخص کے بارہ میں جو سجدہ والی آیت پڑھتا ہے اور پھر اس آیت کو دُہراتا ہے۔ (ایک ہی مجلس میں) ان دونوں نے کہا کہ اسکے لیے پہلا سجدہ ہی کافی ہے۔

۲۔ عن ابی عبد الرحمٰن انہ کان یقرأ السجدۃ فیسجد ثمّ یعیدھا فی مجلسہ ذٰلک مراراً لا یسجد

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳ ج۲)

حضرت ابو عبد الرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ وہ سجدہ والی آیت پڑھتے تھے اور سجدہ کرتے اور پھر اسی مجلس میں اس آیت کو بار بار دہراتے تھے لیکن دوبارہ سجدہ نہیں کرتے تھے۔

۳۔ اسی طرح حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳ ج۲)

مسئلہ : عیدین، جمعہ اور ظہر و عصر کی نمازوں میں امام کو سجدہ کی آیات نہیں پڑھنی چاہئیں، اس سے مقتدیوں میں پریشانی اور گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

ناظرین کرام! ہم نے صوفی صاحب کی مکمل عبارت آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ ضرورت تو نہیں کہ اب مزید کچھ لکھا جائے کیونکہ خواجہ صاحب کے اعتراض کا جواب اس عبارت سے ہی ہو جاتا ہے مگر عوام بیچارے سادے ہوتے ہیں۔ اس لیے تھوڑی سی وضاحت کی جاتی ہے خواجہ صاحب عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صوفی صاحب نے بھی سجدہ واجب ہونے کا انکار کر دیا ہے جس سے اہلحدیث مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ ناظرین کرام یہ خواجہ صاحب کا ایک مغالطہ ہے صوفی صاحب سجدہ تلاوت کو واجب ہی مانتے ہیں جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پر مسئلہ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ٹیلیویژن اور ٹیپ ریکارڈ پر یا مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر جو قرآن

پڑھا جاتا ہے ان میں سجدہ کرنا واجب نہیں ہے مگر خواجہ صاحب خوش ہو رہے ہیں کہ صوفی صاحب نے مطلقاً سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب آپ تو سجدہ تلاوت کے سُنّت ہونے کے قائل ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہی ایسی کوئی قرآن کی آیت یا کوئی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں جس میں یہ ہو کہ گراموفون، ٹیپ ریکارڈ، ٹیلیویژن، لاؤڈ سپیکر پر سجدہ تلاوت کی آیات سُن کر سجدہ کرنا مسنون ہے۔ اُمید ہے کہ خواجہ صاحب ضرور کوئی ایسی حدیث پیش کریں گے خواجہ صاحب ہمت کریں۔ صوفی صاحب نے تو پھر بھی یہ بات احتیاطاً لکھ دی ہے کہ سجدہ ادا کر لینا ہی بہتر ہے۔ اب ہم تھوڑی سی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔

گراموفون اور ٹیپ ریکارڈ : ان دونوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ ان پر اگر سجدہ تلاوت کی آیت سُنی جائے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

ٹیلیویژن : ٹیلیویژن پر اگر پہلے سے ریکارڈ کی ہوئی کیسٹ دکھائی جائے جیسا کہ ٹیپ ریکارڈ میں ہوتا ہے تو پھر سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ اگر براہِ راست تلاوت ہو رہی ہو یا تراویح براہِ راست دکھائی جاتی ہوں جیسا کہ رمضان شریف میں مکہ مکرمہ میں پڑھی جانے والی تراویح براہِ راست دکھائی جاتی ہیں تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ سجدہ واجب ہوگا کیونکہ یہ براہِ راست سُنا جا رہا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ اس بارے میں احقر کی رائے وہی ہے جو کہ والد صاحب نے لکھی ہے کہ سجدہ واجب تو نہیں مگر کر لے تو بہتر ہے۔

لاؤڈ سپیکر : لاؤڈ سپیکر میں اگر تراویح پڑھی جا رہی ہوں تو سُننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہے چاہے وہ نماز میں ہو چاہے نماز سے باہر ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر محمد فیاض خان سواتی، مدرس مدرسہ نصرت العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

۲۰ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

افادات
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ
مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم
خطیب جامع مسجد نور
گوجرانوالہ

درس قرآن پاک کا نہایت ہی مفید سلسلہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

مرتب: الحاج لعل دین صاحب ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) شالامار۔ لاہور

اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو عوام کے ذہن کے قریب کرنے کے لیے بیشمار کوششیں کی گئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ دروس القرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ ہلکے پھلکے رواں دواں آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر ضروری مسائل کی توضیح ضروریات وقت زمانہ ماحول کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج۔ قرآن کریم کی آیات، اور پھر صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرام ائمہ کرام اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توجیہات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور ادیان باطلہ اور نظامات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رد، اس دروس القرآن کا خاص امتیاز ہے۔

سورۃ فاتحہ طبع سوم ۔/۱۵ روپے	پارہ ۲۹ مکمل طبع دوم ۔/۵۰ روپے
پارہ ۳۰ مکمل طبع دوم ۔/۶۰ "	حصہ اول پارہ ۱ مکمل طبع دوم ۔/۵۰ "
حصہ دوم پارہ ۲ تا مکمل سورۃ بقرہ طبع اول ۔/۷۰ "	حصہ سوم سورۃ آل عمران مکمل طبع اول ۔/۱۰۰ "
حصہ چہارم سورۃ نساء مکمل طبع اول ۔/۱۱۰ "	حصہ پنجم سورۃ مائدہ مکمل طبع اول ۔/۱۲۵ "
حصہ ششم سورۃ انعام مکمل طبع اول ۔/۱۳۰ "	حصہ ہفتم سورۃ اعراف مکمل طبع اول زیر طبع

ناشر
مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ